www.urducouncil.nic.in

جولائی 2024 ، قیمت :- ₹10

ماھنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اُردو دُنیا

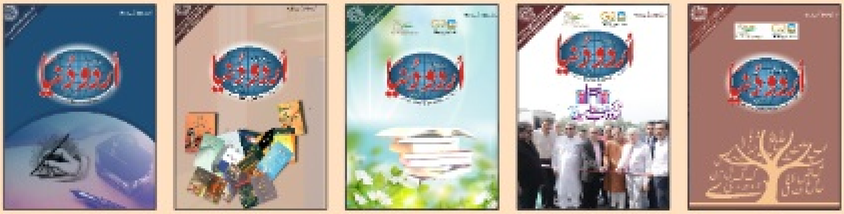

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

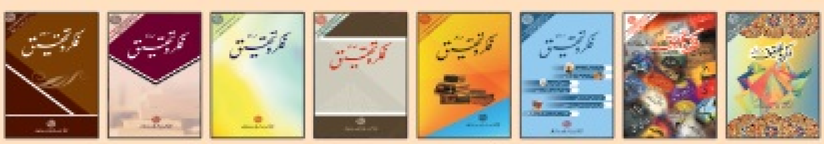

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد: 12 شمارہ: 07 جولائی 2024

مدیر : ڈاکٹر شمس اقبال

نائب مدیر : ڈاکٹر عبدالباری

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت تعلیم، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:11-49539009
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ /100 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages:64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 22-7-110 تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد-500002
فون:040-24415194

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
مضامین		
اے پی جے عبدالکلام: بابائے میزائل	طیب خرادی	08
ایک مہاجر پرندہ : کورجاں	اکبر خاں اشک	12
پتوں کی گفتگو	متین الدین	14
شخصیت		
نوبل انعام یافتہ کیلاش ستیارتھی	پرویز شہریار	16
نظمیں		
موٹو جی	فراق جلال پوری	19
بچوں کی دنیا	عطا عابدی	20
بوجھو تو جانیں	امان الحق بالاپوری	21
مسٹر خرگوش	پروانہ برہانپوری	22
خواب دیکھا کرو	رخشاں ہاشمی	23
تقدیر	خطاب عالم شاذ	24
جوکر	اشتیاق احمد راشد	25
میری چھتری	عبدالناصر	26
آم	سید عقیل احمد	27
ہمیں اسکول جانا ہے	ویشمکھ ساجد مقصود	28
میں ہوں غریب لڑکی	سحر ش نسیم	29
سیر و سیاحت		
ہمالیہ کی سیر	کملا شرما شیاملا/ سید ظفر الاسلام	30
کہانیاں		
وہ بچہ	جہانگیر انس	36
محنت کی کمائی	فوزیہ حبیب	40
انوکھا چوکیدار	زیب النسا	43
قسط وار ناول		
جنگل کی کہانی / رمیش نارائن تیواری مترجمہ : زینت شہریار		46
سائنس		
ریڈیم کی کہانی	اندرجیت لال	50
صحت		
اچھی صحت کا راز	فیروز بخت احمد	53
واقفیت عامہ		
تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات	ادارہ	57
کہکشاں		
چمن چمن کے پھول		58
ننھے فنکار		
پینٹنگ		59

پیارے بچو! تعلیم انسان کے لیے بے حد ضروری ہے، ایک تعلیم یافتہ شخص غیر تعلیم یافتہ شخص سے بدرجہا بہتر ہوتا ہے، تعلیم کے لیے ذہنی یکسوئی، دلچسپی اور وقت کا خیال رکھنا لازمی ہے، مستقبل میں اگر کچھ بننا ہے یا کچھ ایسا کرنا ہے جس سے کہ والدین آپ پر فخر کریں تو پڑھائی کو اپنے اوپر سوار کر لیں اس لیے کہ بغیر محنت اور توجہ کے اچھی تعلیم ممکن نہیں ہے، تعلیم صرف کتابوں کے ذریعے نہیں بلکہ دیگر ذرائع سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے، مشاہدات اور تجربات بھی بچوں کے ذہنی اور ادراکی افق کو وسیع سے وسیع تر کرتی ہیں، اس کا ایک ذریعہ سیر و تفریح بھی ہے، سیر و سیاحت کے بے شمار فائدے ہیں، ماہرین کا ماننا ہے کہ سال میں ایک بار سیر و سیاحت کے لیے وقت ضرور نکالنا چاہیے، اس سے بچوں کے ذہن پر مثبت اثرات پڑتے ہیں، گھومنا پھرنا ایک انسان کو تازہ دم اور توانا رکھتا ہے، اچھی اور تاریخی جگہوں پر جانے سے علم میں اضافہ ہوتا ہے اور نئی نئی چیزوں سے واقفیت بھی ہوتی ہے۔

بچو! ہمارے ملک ہندوستان میں بہت سے ایسے سیاحتی مقام ہیں جنھیں دیکھنے کے لیے غیر ملکی سیاح ہر سال لاکھوں کی تعداد میں آتے ہیں اور یہاں کے تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی مقامات سے لطف اندوز ہوتے ہیں، کئی تاریخی جگہ جیسے لال قلعہ، قطب مینار، تاج محل، لوٹس ٹیمپل، گیٹ وے آف انڈیا، چار مینار، وکٹوریہ میموریل، ہمایوں کا مقبرہ، مہابودھی مندر بودھ گیا اور ہوا محل کا شمار ہندوستان کے مشہور سیاحتی مراکز میں ہوتا ہے، ان جگہوں پر آپ والدین کے ساتھ چھٹیوں میں ضرور جائیں تاکہ تاریخی اور یادگار چیزوں کو آپ بغور دیکھ سکیں، ان کو دیکھ کر آپ ہندوستان کے ماضی اور اس وقت کی تہذیب کو بھی دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح اتنے سال قبل اس کی تعمیر اتنے خوب صورت انداز میں کی گئی، اس کے علاوہ ہندوستان کے مشہور شہروں دہلی، ممبئی، کولکاتا، مدراس، کشمیر، شملہ اور دیگر شہروں کا سفر بھی آپ کے لیے بے حد دلچسپ رہے گا، ان شہروں میں آپ کی پسند کی بہت سی چیزیں ملیں گی، ہر شہر کی اپنی انفرادیت اور الگ پہچان ہے، ہر شہر میں کچھ نہ کچھ آپ کو نیا سیکھنے کو ضرور ملے گا، نیشنل لائبریری، چڑیا گھر، نیشنل سائنس سینٹر، نیشنل ریل میوزیم، جوہو بیچ، وکٹوریہ ٹرمنس، ہوڑہ برج یہ سب وہ خاص جگہیں ہیں جسے آپ پسند بھی کریں گے اور اس کے متعلق معلومات آپ کو مستقبل میں کام بھی آئیں گی۔

پیارے بچو! سیر و سیاحت سے صحت بھی اچھی رہتی ہے، تخلیقی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے، آپ میں مشکلات اور پریشانی کا سامنا کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے، نئی جگہوں اور نئے لوگوں سے مل کر آپ بہت کچھ نیا سیکھتے ہیں، مختلف جگہ کی تہذیب، رہن سہن، کھان پان اور نئی زبان سے آپ کا واسطہ پڑتا ہے، یہ وہ چیزیں ہیں جس سے آپ کے ذہن کے دریچے کھلتے ہیں اور پھر کچھ نیا کرنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ جولائی کے شمارے میں 'ہمالیہ کی سیر' کے عنوان سے ایک کہانی شامل کی گئی ہے، اسے آپ پڑھیں اور جب آپ کہیں گھومنے جائیں تو اسی طرح سفر کی روداد ضرور تحریر کریں اس سے آپ میں لکھنے کی صلاحیت و مہارت پیدا ہوگی اور آپ بھی ایک دن اچھے قلمکار بن سکتے ہیں۔

آپ کا

شمس اقبال

ڈاک خانہ

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ کاغذ قلم ذہنی آبیاری و شادابی کا ذریعہ تو ہیں ہی، تاہم ذہنی الجھن و تناؤ سے نجات بھی ملتی ہے۔ رسالہ بچوں کی دنیا کی تحریریں جہاں اپنے قارئین کو قدرے مسرت فراہم کرتی ہیں وہیں اہل قلم کی جہاں بینی سے بھی واقف کراتی ہیں۔

میرے سامنے جون 2024 کا شمارہ موجود ہے۔ اس کے مشمولات کا مطالعہ کرتے ہوئے یک گونہ خوشی ملتی ہے۔ مزید دنیا سے آگہی ہوتی ہے۔ کچھ عنوانات ایسے ہوتے ہیں جو پسِ لفظ کوئی نہ کوئی علمی پہلو لیے ہوتے ہیں۔ جیسے وسیم سعید کی تحریر ’ہنسی: خوشگوار زندگی کی کنجی ہے‘۔ اس کے تحت ہنسی کی افادیت پر روشنی ڈالی گئی ہے جو سائنسی و طبی لحاظ سے انسان کی زندگی پر خوشگوار اثرات مرتب کرتی ہے۔ گلوبل وارمنگ کیا ہے۔ سائنس اساس، مضمون ہے۔ اس مضمون میں گلوبل وارمنگ کے منفی اثرات اور اس سے بچنے کے لیے کچھ تجاویز پیش کی گئی ہیں۔

متین اچل پوری کی نظم ’اپنا ماحول اپنی جنت‘ ماحولیات سے متعلق نظم ہے جو آسمانی صحیفوں میں پاکی و صفائی کی تائید بھی ہے۔ بچوں کی دنیا کی تحریریں اخلاقیات کا درس بھی دیتی ہیں۔ اس سے ہمارے گھر کے لوگ بہت پسند کرتے ہیں۔ جب سے بچوں کی دنیا رسالہ ہمارے یہاں آتا ہے سب بچے بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ تادیر اس کے اثرات محسوس ہوتے ہیں۔ وسیم احمد نگرامی کی نظم ’سارے گھر کی جان ہیں ابو‘ بچوں کے اندر ایک طرح کا احساس جگاتی ہے۔ یہی احساس ان بچوں کو والدین سے قریب کرتا ہے، جو ہر گھر کے لیے خوشگوار زندگی کا ضامن ہے۔ یہ رسالہ زندگی میں تازگی و ہلچل بھی پیدا کرتا ہے۔ اس ضمن میں شمیم انجم وارثی کی نظم ’جنگل میں شادی‘، جاوید اختر کی نظم ’کوئل‘، رابعہ خاتون کی نظم ’کاغذ کی گڑیا‘ بہت مناسب ہے۔ ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ میں بچوں کی مصوری آنے والی نسلوں کے لیے مہمیز کا کام کرتی ہے اور بچوں کے ٹیلنٹ و تخلیقیت کو جلا بخشتی ہے۔

فردوس بانو، گلمرگ اپارٹمنٹ، M-109، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی

بچوں کے ذوق اور ان کی دلچسپی کو سامنے رکھ کر تو بہت سے رسالے نکالے گئے لیکن جو مقبولیت ’بچوں کی

مدرسہ رحمت العلوم نوکا ٹولہ رسول ضلع مشرقی چمپارن بہار کے بچے ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' جون 2024 کے ساتھ

دنیا' کو ملی ہے اور مل رہی ہے وہ واقعی قابل تعریف ہے، اس کے لیے قومی اردو کونسل، مدیر و نائب مدیر قابل مبارکباد ہیں، جون کا شمارہ پڑھا، اچھا لگا، اداریے میں صحت سے پر مختصر مگر بھرپور گفتگو کی گئی ہے، ماحولیات کے حوالے سے گلوبل وارمنگ مضمون بے حد پسند آیا، آج کل گلوبل وارمنگ کی وجہ سے لوگوں کو طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، شاہد جمیل کی نظم 'جون' پڑھ کر ان کو بھی اندازہ ہوگا جو اس مہینے کی گرمی سے واقف نہیں ہیں، جون میں جس طرح کی گرمی ہوتی ہے اس کا ہو بہو نقشہ کھینچا گیا ہے، باقی نظمیں بھی اچھی اور بچوں کے ذوق کو سامنے رکھ کر ترتیب دی گئی ہیں، 'رستم زماں گاماں پہلوان' کہانی معلوماتی کہانی ہے، اس طرح کے لوگوں کو یاد کرتے رہنا چاہیے جنھوں نے ہمارے ملک کی شان میں اضافہ کیا ہے، دیگر کہانیاں، قسط وار ناول اور لے وائسر کے کارنامے پڑھ کر اچھا لگا، عبدالمجید مکرو کا 'ادرک کے طبی فوائد' بے حد معلوماتی اور موضوع سے انصاف کرتا ہوا مضمون ہے، مختصر یہ کہ یہ رسالہ بہت اہم ہے اور اسے گھر کے بڑے اور بچے سب کو پڑھنا چاہیے۔

شارب شمیم، کرم گنج، دربھنگہ، بہار

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' موصول ہوا۔ شمارہ تمام تر رعنائیوں کے ساتھ نظروں سے گزرا۔ ٹائٹل پر ماں کی تصویر دلکش تھی۔ سب سے پہلے اداریہ مدیر ڈاکٹر شمس اقبال کا بہت زیادہ پسند آیا۔ ماں دنیا کی سب سے عظیم ہستی ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب میں ماں کی عزت اور احترام پر خاص زور دیا گیا ہے۔ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے اور باپ جنت کا دروازہ ہے۔ ہم سب کو چاہیے کہ ماں کی قدر کریں اور ماں کو عزت دیں۔ مجھے کچھ مضامین بہت پسند آئے جیسے بچوں کے امیر خسرو، ان کی بنائی ہوئی پہیلیاں آج بھی بڑے شوق سے بوجھی جاتی ہے۔ بانو سرتاج کا مضمون 'گرونانک جی کی دعا سے جاری ہونے والا چشمہ' خوبصورت گھونسلوں کی دلچسپ باتیں پسند آئیں وغیرہ۔

تیرے بیٹوں نے محبت سے پکارا اے ماں، عبدالرحمٰن کی دنیا کی جنت ماں پسند آئی جس میں مرتضیٰ ساحل تسلیمی ایڈیٹر نور کی نظم دل کو موہ لیتی ہے۔ مجھے امن کی لوری، ماں کے جیسا کون ہے نظم پسند آئی۔ چمن چمن کے پھول پسند آئے۔ اچھا بچہ، ننھی پری، عمل سے بنے گا تو انسان کامل اچھی لگی، زہر کی پڑیا، ننھا پھول بھی پسند آیا، حاتم طائی کے قصے بچوں کی دنیا میں شائع کریں جو بچے دلچسپی سے

پڑھیں گے۔ تین ستارہ منزل نصیحت آمیز کہانی ہے۔ ہمیں اپنی Property کی قدر کرنی چاہیے اور اتفاق میں رہنا چاہیے۔ ہونہار ہری پسندیدہ ہے۔ انسان محنت اور لگن سے اپنی منزل کو پا سکتا ہے۔ اس سے کامل یقین اور جدوجہد کرنی پڑتی ہے، تبھی منزل ملتی ہے۔ طنز و مزاح، سبزیوں کا مشاعرہ، انشائیہ پسند آیا۔ آم کی طبعی اہمیت، تاریخی سائنسی اور ثقافتی معلومات اور ننھے فنکار پسند آئے۔

عبدالمجید مکرو، اروانی، کلگام، اننت ناگ، کشمیر

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' اک عرصے سے مطالعے میں ہے اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ پہلی بار سمستی پور میں کونسل کے سارے رسائل کی ایجنسی میں نے لی تھی اور وہ آج بھی 'شمسی بک سنٹر' کے نام سے قائم ہے۔ اس عرصے میں بچوں کی دنیا' نے لمبا سفر طے ہی نہیں کیا ہے بلکہ اردو کی نئی نسل کو پروان بھی چڑھایا ہے۔

اپریل کا شمارہ عید پر خصوصی شمارہ ہے۔ عبدالغفار دانش صاحب کی نظم 'دلوں کے فاصلوں کو بھی مٹا دیتی ہے عید' نے بہت متاثر کیا۔ رئیس صدیقی کی تخلیق 'عید کی میٹھی میٹھی یادیں' بھی بچوں کو محبت کا سبق پڑھاتی ہیں۔ مہا کوی کالی داس اور 'ابراہیم لنکن کی کامیابی کے راز' بھی کافی معلوماتی مضمون ہے۔ مستقل کالم 'ڈاک خانہ' کا کیا کہنا۔ جلد ہی بچوں کے لیے کوئی تخلیق روانہ کروں گا۔

شیدا بگھونوی، شاہ پور بگھونی، سمستی پور، بہا

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' جس میں سمائی ہوتی ہے پوری دنیا۔ اگر ایک جھلک دیکھنے کی چاہ میں رسالہ اٹھائیں تو پھر وہ اسے اپنی دنیا میں کھینچ لیتی ہے۔ جہاں ایک طرف سبق آموز کہانیاں تو دوسری طرف مشہور شاہکاروں کی جاں فشانی، جن کی کامیابی سے پہلے ناکامی جان کر ہمارے اندر ایک الگ ہی حوصلہ بیدار ہو جاتا ہے۔ سفر کے ایک موڑ پہ نظمیں، غزلیں وحسن سخن دیکھ ہونٹ خوشگواریت میں پھیل جاتے ہیں۔ سائنس کے سوال و جواب اور مفید کار باتیں حیرت میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ جس پر کبھی غور نہ کیا ہو وہ ان چیزوں پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ ماہنامہ بچوں کی دنیا کا دلچسپ سفر ہمیں ہر بات ذہن نشین کروا دیتی ہے۔ جس کی خاص وجہ 'احساس' اگر یہ جڑ جائے تو چیزیں ازبر ہو جاتی ہیں۔ یہ کتاب ہمیں اپنے ساتھ احساس سے جوڑتی ہے۔

تو نکل جائیے اس دنیا کے سفر میں جس کی قیمت بس آپ کا تھوڑا سا وقت، جس کے عوض ملے علم کا وہ قیمتی خزانہ جو کبھی نہ ختم ہو سدا علم سے مالا مال رکھے۔ اگر آپ بھی اس خزانے کو پانا چاہتے ہیں تو ایک دفعہ اس کے مطالعے کے سفر کا ارادہ باندھ لیں۔ میں نے بھی کیا آپ بھی کریں۔ یقین جانیے سفر مفید کار ثابت ہوگا۔''

ندا احمد، امبیکا پور سرگوجہ (سی جی)

طیب خرادی

اے پی جے عبدالکلام: بابائے میزائل

پیارے بچو! کیا تمھیں معلوم ہے؟ ہمارے ملک بھارت کے بابائے میزائل یا میزائل مین کون ہیں؟

گزشتہ برسوں میں بھارت نے میزائل ٹیکنالوجی کے میدان اور دفاعی صلاحیتوں میں اہم پیش رفت کی ہے۔ بھارت نے عالمی میزائل ٹیکنالوجی کے میدان میں ایک اہم مقام پایا ہے۔ ایک شخصیت ہے جس نے اس ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس شخصیت کا نام ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام ہے، جنھیں ہم بھارتی 'بابائے میزائل' یا میزائل مین کے طور پر جانتے ہیں۔

ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کا پورا نام 'ابولفاخر زین العابدین عبدالکلام' ہے۔ ان کی پیدائش 15 اکتوبر 1931 کو ریاست تمل ناڈو ضلع رامیشورم کے ایک چھوٹے سے گاؤں 'دھنش کوٹی' میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام زین العابدین مارا کایار اور والدہ کا نام عائشہ اماں زین العابدین تھا۔ عبدالکلام کا تعلق تمل ناڈو کے ایک متوسط مسلم خاندان سے تھا۔ والد ماہی گیروں کو اپنی کشتی کرائے پر دیا کرتے تھے۔ آپ غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم کے دوران اے پی جے عبدالکلام اپنے محلے میں اخبار تقسیم کرتے تھے۔

ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام نے ابتدائی تعلیم گاؤں ہی میں حاصل کی۔ پھر مدراس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی سے خلائی سائنس میں گریجویشن مکمل کیا۔ شروعاتی طور پر انڈین اسپیس ریسرچ آرگنائزیشن (ISRO) میں کام کرتے ہوئے ڈاکٹر کلام نے سیٹلائٹ لانچ وہیکل

(SLV-3) کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔جس نے روہنی سیٹلائٹ کو کامیابی کے ساتھ خلا میں پہنچادیا۔یہ بھارت کی خلائی کوششوں میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ڈاکٹر کلام نے 1974 میں بھارت کا پہلا ایٹم بم تجربہ کیا تھا،جس کے باعث انھیں پوری دنیا میں شہرت ملی۔تاہم یہ میزائل ٹیکنالوجی کے باب میں ان کا اہم کام تھا جس کی وجہ سے انھیں بھارت دیش میں بابائے میزائل اور میزائل مین کے خطاب سے یاد کیا جانے لگا۔

ڈاکٹراے پی جے عبدالکلام کا سفر یہیں نہ رکا۔ترقی کی منزلیں طے کرتے گئے۔ان کی سائنسی فکر کی وجہ سے میزائل ٹیکنالوجی کے میدان میں بھارت نے خودمختاری حاصل کی۔ ڈاکٹر کلام انٹیگریٹڈ گائیڈڈ میزائل ڈیولپمنٹ پروگرام (IGMDP) کے چیف آرکیٹیکٹ کے طور پر اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ قیادت کی۔ اگنی اور پرتھوی جیسے اسٹریٹجک میزائل بنائے۔ ان میزائلوں کا رینج پاکستان اور چین تک تھا۔ان منصوبوں نے بھارتی دفاعی صلاحیتوں میں نمایاں اضافہ کیا۔ڈاکٹر کلام کی قیادت میں تیار کیے گئے میزائل پرتھوی، اگنی، آکاش،ناگ اور ترشول میزائل ٹیکنالوجی کی دنیا میں بہت مشہور ہوئے۔

ڈاکٹراے پی جے عبدالکلام نے 1998 میں پوکھران-2 کے کامیاب جوہری تجربات میں ایک اہم کردار ادا کیا۔جس نے ہندوستان کو ایک جوہری ہتھیاروں سے لیس ملک کے طور پر ایک بڑا مقام دلایا۔ 1992 تا 1999 تک ڈاکٹر کلام وزارت دفاع کے دفاعی صلاح کار کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔ڈاکٹر کلام بھارت کے میزائل مین کے طور پر مشہور ہونے کے علاوہ ایک دوراندیش بھی تھے جن کی کوششیں صرف خلائی تحقیق ،اختراعات اور ٹیکنالوجی تک محدود نہیں تھیں۔وہ بھارت کے ایسے سرپرست تھے جنھوں نے نوجوانوں کے اندر سائنسی مزاج پیدا کرنے کی وکالت کی اور ان کی پرورش کرتے ہوئے پروان چڑھایا۔

ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کے بہترین خدمات کے عوض 26 جولائی 2002 تا 24 جولائی 2007 تک بھارت کے گیارہویں صدر جمہوریہ بنائے گئے۔ڈاکٹر کلام کوئی اعزازات سے بھی نوازا گیا۔جیسے: پدم بھوشن (1981)،اوم پرکاش بھانس ایوارڈ (1986)، پدم وبھوشن سائنس و انجینئرنگ ایوارڈ (1990) اور بھارت رتن (1997) وغیرہ۔

ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام ایک بہترین مصنف، شاعر اور ماہرِ تعلیم بھی تھے۔انھوں نے بیسوں کتابیں لکھی ہیں لیکن اپنی ادبی و تصنیفی کاوشوں کو چار قیمتی کتابوں میں پیش کیا ہے۔(1) پرواز (اردو ترجمہ، ونگس آف فائر) (2) انڈیا 2020 - اے وژن فار دی نیو ملینیم (3) مائی جرنی (4) اگنیٹڈ مائنڈس۔ انلیشنگ دی پاور ودن انڈیا۔ ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کی تقریباً سبھی کتابوں کا کئی بھارتی اور غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔ڈاکٹر کلام وہ واحد بھارتی سائنس داں ہیں جنھیں تقریباً 30 یونیورسٹیوں اور مختلف اداروں نے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگریاں عطا کی ہیں۔

ڈاکٹر کلام طلبا سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ انھوں

نے تقریباً طلبا سے بذاتِ خود ملاقات کی ہے۔ جب بھی طلبا سے خطاب کرتے انھیں سوالات کرنے کی تاکید کرتے۔ سوال علم حاصل کرنے کے لیے ایک شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر کلام کا کہنا ہے کہ ''طالبِ علم کی ایک اہم خصوصیت سوال کرنا ہے۔ طلبا کو سوالات کرنے دیں۔'' ہر بچہ زمین پر بہت سارے خواب لے کر پیدا ہوتا ہے۔ انھوں نے اسکول کے بچوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ ''عظیم کتابوں، عظیم انسانوں اور عظیم اساتذہ کو اپنا دوست بنائیں''۔ بابائے میزائل ڈاکٹر اے پی جے عبد الکلام بچوں کو بہت پسند کرتے تھے اور بچوں کے ساتھ وقت گزارنا پسند کرتے تھے۔ تاہم وہ اپنی پوری زندگی مجرد (بیچلر) رہے اور ان کی اپنی اولاد نہیں تھی۔ یقیناً آپ طلبا کے لیے ایک رول ماڈل تھے۔

بابائے میزائل ڈاکٹر اے پی جے عبد الکلام پوری دنیا میں بچوں کی تعلیم کا خیال رکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔ ملکی اور غیر ملکی ممالک کے دوروں کے دوران ہمیشہ وہاں کے غریب اور کمزور بچوں کے بارے میں دریافت کرتے اور مناسب تعلیمی مواقع سے محروم بچوں کے لیے تشویش کا اظہار کرتے تھے۔ ڈاکٹر کلام تعلیمی نظام کو ایسا بنانا چاہتے تھے کہ وہ قابلِ عمل اور لچکدار ہو، تاکہ تعلیم تک سب کی رسائی آسانی کے ساتھ ہو جائے۔ ان کے پیغامات میں ہمیشہ یہ گونج سنائی دیتی کہ طلبا کو ''اُڑنے کے لیے پنکھ'' فراہم کرنا چاہیے، جس سے طلبا مستقبل کے اچھے شہری بن سکیں۔ ڈاکٹر کلام کا اس بات پر پختہ یقین تھا کہ تعلیم ہی وہ واحد طاقتور ہتھیار ہے جو غربت کو ختم کرسکتا ہے۔

ڈاکٹر اے پی جے عبد الکلام اکثر و بیشتر طلبا کی بہترین ذہن سازی کرتے تھے۔ ان کا قول ہے کہ شخصیت کو بنانے کے لیے زندگی کا بنیادی مقصد خوش رہنا ہے۔ خوشی تمام بچوں کی پرورش میں کلیدی جز ہے۔ اس کے بعد بھارت کے تمام اسکولوں کے نصاب میں ہیپی نیس انڈیکس کو لاگو کیا گیا۔ ڈاکٹر کلام کا قول ہے ''ہر چھوٹی مسکراہٹ کسی کے دل کو چھو سکتی ہے۔ کوئی بھی خوش پیدا نہیں ہوتا، لیکن ہم سب خوشی پیدا کرنے کی صلاحیت کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔''

ڈاکٹر اے پی جے عبد الکلام جو بھارت کے 'بابائے میزائل' یا 'میزائل مین آف انڈیا' کے نام سے

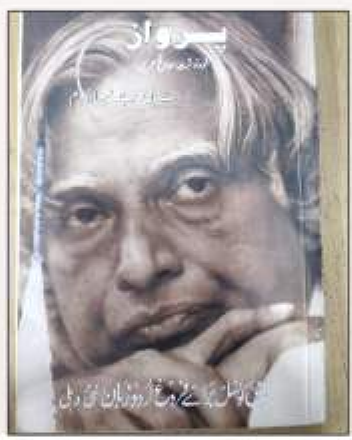

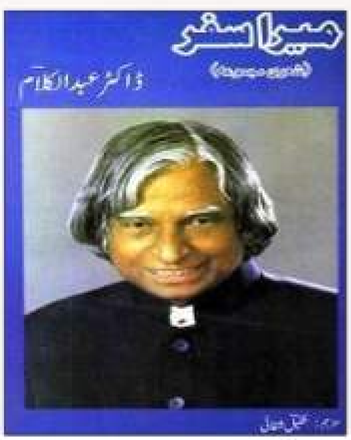

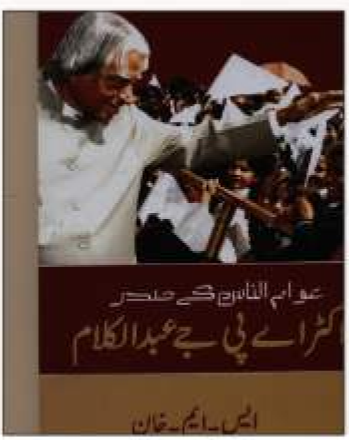

نے یہ ثابت کردیا کہ محنت اور استقامت سے کوئی بھی اپنے خوابوں کو حاصل کرسکتا ہے۔ چاہے وہ کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں۔ وہ کہتے ہیں ''اگر تم سورج کی طرح چمکنا چاہتے ہو تو پہلے سورج کی طرح جلو۔''

ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام 83 برس کی عمر میں 27 جولائی 2015 بروز پیر بمقام شیلانگ ایک تقریب کے دوران اچانک دل کا دورہ پڑنے کی وجہ سے انتقال کرگئے۔ پورے اعزازات کے ساتھ ان کے جسد خاکی کو دہلی لایا گیا، پھر آپ کے آبائی گاؤں رامیشورم میں 30 جولائی 2015 کو سپرد خاک کیا گیا۔ تدفین کے مقام پر ایک یادگار عمارت بھی تعمیر کی گئی ہے۔

ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کا مشہور قول ہے۔ ''خواب وہ نہیں ہے جو آپ نیند میں دیکھیں، خواب وہ ہے جو آپ کو نیند ہی نہ آنے دے۔''

یقیناً بھارت کے گیارہویں صدر جمہوریہ اور معروف جوہری سائنس داں ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کی خدمات سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔

مشہور ہیں۔ دنیا بھر کے لاکھوں لوگوں کے لیے بہترین تحریک کا ذریعہ تھے۔ ان کی زندگی، کام، خدمات، الفاظ اور بالخصوص تحریریں وتقریریں لوگوں کو، خاص طور پر بچوں اور نوجوانوں کو کامیاب راستے کی طرف ترغیب اور رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ ڈاکٹر کلام کا رامیشورم سے راشٹر پتی بھون تک کا سفر آسان نہیں تھا۔ یہ ناقابلِ تسخیر جذبے، پُرعزم اور بے پناہ لگن کا نتیجہ ہے۔ ان کی زندگی کی کہانی بہت سے لوگوں کے لیے امید کی کرن ہے۔ ڈاکٹر کلام

■

Dr.Mohd Tayyab Ali (Dr.Tayyab Kharadi)
Department of Urdu,The New College
#147, Peters Road, Royapettah
Chennai - 600014, Tamil Nadu
Mobile: 8870612461
Email.: dr.tayyabkharadi@gmail.com

اکبر خاں اشک

ایک مہاجر پرندہ : کورجاں
(Siberian Crane)

کور جاں ایک خوبصورت پرندہ ہے، جو سردیوں میں سائبیریا کے کالے سمندر سے لے کر منگولیا تک پھیلے پردیس سے ہمالیہ کی بلندیوں کو پار کرتا ہوا ہمارے دیس میں آتا ہے۔ سردیاں ہمارے میدانوں اور تالابوں کے قریب گزارنے کے بعد واپس اپنے اصل ملک میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ پرندے ستمبر-اکتوبر میں آتے ہیں اور مارچ اپریل کے مہینے تک واپس لوٹ جاتے ہیں۔ چھ ہزار کیلومیٹر کا لمبا سفر طے کرنے میں یہ پرندے نہ تو راستہ بھٹکتے ہیں اور نہ ہی ایک دن دیر سے پہنچتے ہیں۔

کورجاں (ایک مہاجر پرندہ ہے)۔ اس کے سر کے آگے کا حصہ ننگا اور اینٹ جیسا لال ہوتا ہے۔ چونچ کالی اور پاؤں گلابی رنگ کے ہوتے ہیں۔ آنکھیں پیلی ہوتی ہیں، چہرے پر پنکھ ہوتے ہیں اور آلو بخارا جیسے مٹ میلے بھورے رنگ کے ہوتے ہیں۔ ان کے پنکھ لمبے نہیں ہوتے ہیں۔ سائبیریا بہت ہی ٹھنڈی جگہ ہے۔ اس لیے یہ پرندے ہر سال سردی اور ٹھنڈی سے بچنے کے لیے ستمبر مہینے میں بھارت آجاتے ہیں۔ ان کی زندگی کی عمر اٹھارہ سال تک ہوسکتی ہے۔ مادہ کا قد نر سے چھوٹا ہوتا ہے۔ یہی نر و مادہ کی پہچان ہے۔

مغربی راجستھان کے مہمان مانے جانے والے مہاجر پرندے کو 'سائبیرین کرین' کہا جاتا ہے۔ اس کا وزن دو سے ڈھائی کیلو کا ہوتا ہے۔ کورجاں پانی کے آس پاس کھلے میدان اور ہموار زمین پر ہی رہنا پسند کرتی ہے۔ سائبیریا، بحیرہ اسود (کالا سمندر) سے لے کر شمال مشرقی چین، منگولیا تک پھیلے پردیس سے ہزاروں پرندوں کے جھنڈ مغربی، راجستھان میں نقل مکانی (ہجرت) کرتے ہیں۔ سردیوں کی شروعات سے سائبیریا میں ہر سال ستمبر کے دنوں میں ہونے والی برف باری سے بچنے کے لیے یہ پرندے سردیوں میں ہجرت کرکے بھارت منگولیا، پاکستان سمیت کئی ملکوں میں جاتے ہیں۔ ان پرندوں کی خاص خوراک موتیا گھاس ہوتی ہے۔ پانی کے پاس پیدا ہونے والے کیڑے کھا کر کورجاں اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ ہمالیہ پہاڑ کی بلندیوں کو پار کرتے ہوئے ستمبر ماہ میں آنے والی کورجاں مارچ اپریل تک یہاں ٹھہرتی ہیں۔ کورجاں کے نام سے مشہور (سائبیرین کرین) جودھپور ضلع کے کھیچن، باف اور جامبا کے ساتھ ہی مارواڑ کے مختلف پانی کے ذخیروں کے آس پاس ہر سال آکر اپنے ٹھہرنے کا عارضی ٹھکانا بنا لیتے ہیں۔ جودھپور ضلع کا کھیچن گاؤں مشہور ہے، جہاں ہر سال ہزاروں کی تعداد میں کورجاں کا ہجرت کرکے آنا ہوتا ہے۔ کورجاں کے پڑاؤ

کے دنوں میں سیاحوں کا یہاں پر برڈ ٹورزم (طیور بینی) کے لیے آنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ کورجاں کی بدولت یہاں پر برڈ ٹورزم لگاتار پروان چڑھ رہا ہے۔

'کورجاں پرندوں کو سائبیریا میں' ڈیموسائل کرین کے نام سے جانا جاتا ہے۔ لیکن بھارت میں ان پرندوں کو کورجاں کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ ان پرندوں کی خاص خوراک جوار، نمک، چونا پتھر اور نمکین پانی ہے لیکن کھیچن میں ٹھہرنے کو لے کر خاص وجہ یہ ہے کہ انھیں ان کی پسندیدہ خوراک یہاں بھرپور مقدار میں مل جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ پانی میں کھاراپن ہونے سے نمک کی مقدار پائی جاتی ہے۔ اس علاقے میں نمک کی پیداوار اچھی مقدار میں ہوتی ہے۔ یہاں چونا پتھر بھی پایا جاتا ہے۔ کورجاں کو یہ سب خوب پسند آتا ہے۔ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں آنے والے ان پرندوں کے لیے چگہ (دانا) کا انتظام کھیچن گاؤں کے لوگوں کے ذریعے سماجی طور پر کیا جاتا ہے جس میں سالانہ لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہیں۔ پرندوں کے لیے اتنا پیار اور محبت ہے کہ تمام کھیچن گاؤں ہی ان مہمان پرندوں کی حفاظت اور کھلانے کی ذمے داری نبھاتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کورجاں کو یہاں کا تحفظ بھرا ماحول اور مہمان نوازی اتنی پسند آگئی ہے کہ وہ یہاں آنا کبھی نہیں بھولتے۔

ان پرندوں کی وجہ سے دور دور تک مشہور کھیچن علاقے میں مہاجر پرندوں کی حفاظت کو لے کر نہ صرف علاقائی لوگ بلکہ مقامی سرکاری عملہ بھی ان کے لیے مکمل تعاون رکھتا ہے۔ اس کے لیے مقامی گرام پنچایت کو ان پرندوں کی صحت کی نگرانی کے لیے ایک ایمبولینس بھی مہیا کروائی گئی ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں کورجاں پرندوں کی موجودگی نے مغربی راجستھان میں (برڈ-ٹورزم) سیاحتِ طیور کے لیے نئے نئے دروازے کھول دیے ہیں۔

کورجاں کے ڈیروں والے پانی کے ذخیروں اور علاقے تک پہنچانے والے راستوں پر آمد و رفت کی سہولتیں مہیا کروانے کے ساتھ ہی برڈ ٹورزم اور سیاحت کے ارتقا کے لیے منصوبہ بندی کی طرف سرکاری طور پر دھیان دیا جا رہا ہے۔ اس میں پرندوں سے محبت کرنے والوں، سیاحت کی فوٹوگرافی کرنے والوں اور سیاحوں کی دلچسپی کے بھرپور امکانات ہیں، اور اس سے سیاحت کے ارتقا کو پوری مدد ملے گی۔

''پوری دنیا ایک خاندان ہے اور گھر آئے مہمان کی عزت افزائی کرنا چاہیے۔''

یہ ہمارے دیس کی پرانی روایت ہے۔ انسانی سماج ہی نہیں بلکہ پرندوں کا سنسار بھی اس بات کو مانتا ہے اور قبول کرتا ہے۔

تبھی تو دنیا کے ہر ایک کونے سے مختلف اقسام کے پرندے ہزاروں کیلومیٹر کا سفر طے کرتے ہیں ہوئے بھارت آتے ہیں اور یہاں کی مہمان نوازی سے متاثر ہوکر لوٹتے ہیں۔ جانے کتنی صدیوں سے جاری رہنے والا یہ سلسلہ اور مہمان نوازی کی شاندار روایت آج بھی جاری وساری ہے۔

■

Akbar Khan 'Ashk' Jalori
Mohalla- Habshiyan, Fort Road
Jalore - 343001 (Rajasthan)
Mob.: 9413384093

مضمون

متین الدین

پتوں کی گفتگو

پیارے بچو! آج میں آپ کو ایک ایسی کہانی سنانا چاہتا ہوں جس کا تعلق آپ بیتی سے ہے۔ یہ کہانی حقیقی ہے یا خیالی اس کا فیصلہ میں آپ سب پر چھوڑتا ہوں۔

پیارے بچو! ساری دنیا اس خیال میں الجھی ہوئی ہے کہ ہر کوئی میرا ہم خیال ہوجائے۔ میں بھی اسی خیال کے پیش نظر وقت کی رفتار سے الجھ بیٹھا کہ ہم نے تجھے سب سے چھوٹی اکائی سے لے کر سال کی آخری اکائی تک سیکنڈ، منٹ، گھنٹہ، دن، ہفتہ، مہینہ، سال میں باندھنا چاہا۔ لیکن تو ساری زنجیروں کو توڑ کر باہر نکل جاتا ہے۔ آخر کیوں؟ جب ہم ٹھہر جاتے ہیں تو تو کیوں نہیں ٹھہر جاتا۔ سال کے بارہ مہینے۔ پہلے مہینے میں ہی تیس دن کے بجائے اکتیس دن دے دیے تو جب بھی نہ رکا۔ اگلے مہینے میں شاید تجھے اٹھائیس انتیس کا ہونا اچھا لگے پر تو اس پر بھی راضی نہ ہوا۔ تیس دن پر بھی تجھے خوش نہ دیکھ کر جولائی اور اگست کو لگاتار اکتیس دن کر کے دیکھ لیا۔ پھر بھی تو ٹھہرنے کے لیے راضی نہیں ہے۔ آخر تو کہاں جا کے ٹھہرے گا۔ کچھ تو بتا ہمیں۔ اسی ادھیڑ بن میں سال ختم اور نئے سال نے دستک دینی شروع کردی۔ اے وقت ہم تجھے بے وجہ ٹھہرانا تھوڑی چاہتے ہیں۔ ذرا ہماری محبت کے پیمانے کو بھی تو جانچ کہ ہم تجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ جانے والے سال کی وداعی رخصتی اور آنے والے کا جشن۔ دنیا میں چرچا کا موضوع بنا رہتا ہے۔ اے وقت اس جشن کی خوشی میں ہی آ، ہم سے راز و نیاز کی باتیں کر۔ پرانا سال رخصت ہوگیا، نیا سال مبارک ہو۔ ہم جشن میں ہی ڈوبے رہے۔ ہوش آیا تو نئے سال کے چہرے پر ایک عبارت لکھی تھی۔ ماضی تو گئے گزروں کا ہوتا ہے۔ مستقبل کا کسی کو کچھ پتا نہیں، جسے مجھ سے محبت ہے۔ وہ حال میں مجھ سے قدم ملا کر چل لے۔ ہر جگہ اس

کی رہنمائی کرتا رہوں گا۔ میرے ٹھہرنے سے کسی کو کیا ملے گا۔ اگر میں سردی میں ٹھہرتا ہوں تو سردی سے الکسانے والے مجھے کوس کوس کر ٹھٹھر جائیں گے اور اگر گرمی میں ٹھہرتا ہوں تو گرمی سے الکسانے والے کوس کوس کر کھا جائیں گے۔ اس لیے میں تو اپنے ساتھ سفر کرنے والوں کے لیے ایسا معتدل بنا ہوا ہوں کہ اگر میرے ساتھی گرمی سردی کا اسٹریس مانتے ہیں تو میں انھیں ایسے موسم بہار میں لے آتا ہوں جہاں گرمی سردی اور برسات کا ایک ساتھ لطف اٹھا کر تر و تازہ ہو جاتے ہیں۔ زمیں کی سبز رنگت، آسماں میں بادلوں کی سورج سے آنکھ مچولی، ہر پیڑ اپنی ڈال پر شگوفے لیے ہوئے پھولوں کی جھاڑیاں اپنی بھینی بھینی خوشبو سے فضا کو معطر کر کے جنت کا سا نظارہ پیش کرتی ہیں۔ تو میرے ہم سفر تو سلامتی کے ساتھ مجھے چلنے کی دعا دیتے ہیں نہ کہ ٹھہرنے کی۔ تو میں اس کے کہنے سے کیوں رکوں جو خود بھی رکا ہوا ہے۔ چلتے رہنے کا نام ہی تو زندگی ہے۔ یہ عبارت اتنی پچی جامع اور پرسکون تھی کہ پڑھتے ہی میرے اندر تک سرایت کر گئی۔ پر مجھے تو بیماری نہیں اس مہاماری کے خیال نے جکڑ رکھا تھا کہ سب کو میرا ہی ہم خیال ہونا چ ہے اور میں اپنے ہی خیال کو لیے پھرتا رہا اور وقت کا پہیہ اپنی رفتار سے چلتا رہا۔

آخر کار موسم بہار رخصت ہونے لگا اور موسم خزاں نے دستک دیا۔ سردی کا موسم ہے۔ پیڑوں کی ڈالیوں پر پرندے خاموش اپنی چونچ کو پروں میں چھپائے بیٹھے ہیں۔ صبح صادق کے زعفرانی رنگ پر کہرے کی سیاہ چادر نے قبضہ کر رکھا ہے۔ نباتات میں ایک ہلچل سی ہے۔ پیڑ پت جھڑ ہو کر پتے زمین پر گر رہے ہیں۔ موسم کی اس خزاں سے اداس ہو کر میں بھی پیڑ کے نیچے بیٹھ گیا اور اداس نگاہوں سے ان پتوں کی طرف دیکھا جو زمین کی طرف بڑے خوش خرم آ رہے تھے۔ میں نے حیرت زدہ ہو کر پتوں سے پوچھا۔ اس خوشی کا راز کیا ہے۔ آپ کو تو افسوس میں ڈوب جانا چاہیے تھا۔ آپ اس آشیانے کو چھوڑ رہے ہو جو ایک دوسرے کے لیے لازم اور ملزوم ہے۔ تمھاری زندگی اس درخت سے تھی اور تم نے اس درخت کو اپنے خوبصورت رنگ سے عزت کا تاج پہنا رکھا تھا۔ پتے میرے اس بے وقوفی بھرے انداز پر مسکرا دیے اور بولے۔

ارے بیوقوف یہ دنیا، آزاد خیالی کا مجموعہ ہے۔ ہم خیالی کی ضد ضرور چھوڑ دے۔ قدرت کا ہم ساز ہو جا۔ تو اس موسم کو خزاں کہتا ہے۔ یہ موسم خزاں نہیں ہے۔ یہ 'آمد بسنت' کا استقبال ہے تو اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ ہم اپنے مالک کے وفادار ہیں۔ کل ہم جس کے سر کا تاج تھے آج اس پیڑ کو اپنی جڑوں کو بچانے کے لیے ہماری خوراک کی ضرورت ہے اور ہم بھلائی کا بدلہ بھلائی سے دے کر یہی تو کر رہے ہیں۔ بیوقوف اسی ہمدردی کے نظام پر تو کائنات ٹھہری ہوئی ہے۔

پیارے بچو! پتوں کی اس گفتگو نے میری عقل میں لگے ہزاروں تالے کھول دیے۔

■

Matinuddin
Town & Post: Umrai Kalan
Distt.: Moradabad -244501 (UP)
Mob.: 9690287382
sr6075494@gmail.com

نوبل انعام یافتہ کیلاش ستیارتھی

پرویز شہریار

پیارے بچو! نوبل انعام یافتہ اور ہر دل عزیز شخصیت کیلاش ستیارتھی کا نام آپ نے ضرور سنا ہوگا۔

ان کی پیدائش 11 جنوری 1954 کو ہندوستان کی ایک مردم خیز ریاست مدھ پردیش کے ودیشہ نامی مقام پر ہوئی تھی۔

بچپن سے ہی ان کے دل میں دوسروں کے لیے کچھ کر گزرنے کا جذبہ موجود تھا۔ وہ لڑکپن میں اپنے دوستوں کے ساتھ فٹ بال میچ کا انعقاد کرتے اور میچ جیتنے کے بعد انعام میں جو رقم ملتی اس سے غریب اور نادار بچوں کی اسکول فیس جمع کرنے میں مدد کرتے تھے۔

جب وہ جوان ہوئے تو انھیں بال مزدوروں کی حالت زار سے بہت بے چینی محسوس ہونے لگی۔ اس وقت چھوٹے چھوٹے کل کارخانوں اور فیکٹریوں میں ان پڑھ اور غریب بچوں سے مزدوری کرانے کا رواج عام تھا۔ ہر جگہ مِل مالک اور کارخانہ دار اُن بچوں سے بے رحمی کا سلوک کرتے تھے۔ انھیں کم مزدوری دی جاتی تھی۔ اُن سے روزانہ 8 گھنٹے کے بجائے دس دس اور بارہ بارہ گھنٹے مزدوری کرائی جاتی تھی۔ ان بچوں کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا معقول انتظام نہ ہونے کی وجہ سے وہ بہت جلد بیمار پڑ جاتے تھے۔ لیکن مِل مالک ان کا کسی ڈاکٹر سے دوا علاج بھی نہیں کراتے تھے۔ انھیں اُن کے ماں باپ سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ انھیں اپنے والدین اور رشتے داروں سے ملنے کے لیے گاؤں جانے کی چھٹی بھی نہیں ملتی تھی۔ یہ سب دیکھ کر کیلاش سیتارتھی کا دل بہت اُداس ہوجایا کرتا تھا۔

کیلاش ستیارتھی نے بڑے ہوکر سب سے پہلے اپنی تعلیم مکمل کی۔ اب وہ ایک الیکٹریکل انجینئر بن چکے تھے۔ اب انھیں محسوس ہوا کہ مزدور بچوں کے لیے کچھ کرنے کا مناسب وقت آگیا ہے۔ چنانچہ، انھوں نے باقاعدگی سے بچوں کی فلاح و بہبود کا بیڑا اُٹھایا۔ بچوں کے حقوق کی پامالی اور بال مزدوروں کے استحصال کے خلاف ایک مہم چھیڑ دی۔ اس کام میں رضا کار ساتھیوں نے بھی بڑھ چڑھ کر اُن کا ساتھ دیا۔

چنانچہ، کیلاش ستیارتھی نے اب منصوبہ بند طریقے سے

بال مزدوری کے خلاف آواز اٹھانی شروع کردی۔ اس کام کے لیے انھیں حکومت کی اور خاص طور سے محکمہ پولیس کی مدد کی ضرورت پڑتی تھی۔ لہٰذا، انھوں نے 'بچپن بچاؤ تحریک' کو مؤثر طریقے سے جاری رکھنے کے لیے ایک غیرسرکاری تنظیم یعنی NGO رجسٹر کرائی تاکہ اس تنظیم کو قانونی حیثیت حاصل ہوسکے۔ ایک بار قانونی حیثیت مل جانے کے بعد انھوں نے بال مزدوروں کو اس بندھوا مزدوری کے چنگل سے آزاد کرانے کے لیے ایسے سبھی ٹھکانوں پر چھاپے ماری شروع کردی، جہاں قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک کر بچوں سے غیرانسانی ماحول میں سارا سارا دن زبردستی کام کرایا جاتا تھا۔ ایسی جگہوں پر عام طور سے بجلی، پانی اور پنکھے بھی میسر نہیں ہوا کرتے تھے۔ ان کے نہانے دھونے اور ٹوائلٹ جیسی بنیادی سہولیات کا بھی انتظام نہیں ہوتا تھا۔ اس طرح کے تمام کل کارخانوں پر کیلاش ستیارتھی کی ٹیم نے دبش دینی شروع کردی۔

کیلاش ستیارتھی نے دیکھا کہ قالین بنانے کے اڈے اور اینٹ بنانے کے بھٹوں پر سب سے زیادہ بچوں سے مزدوری کرائی جاتی تھی۔ اس کی روک تھام کے لیے کیلاش ستیارتھی کو اکثر غیرسماجی عناصر یعنی بدمعاشوں اور مافیاؤں کی طرف سے مزاحمتوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ان کی تحفظاتی ٹیم کو کبھی کبھی جان سے مارنے کی دھمکیاں بھی ملتی تھیں۔ لیکن ایسے خطرناک مافیا قسم کے کارخانہ داروں اور فیکٹری کے مالکوں سے نمٹنے کے لیے انھیں پولیس کا بھی سہارا لینا پڑتا تھا۔ اس طرح سے انھوں نے ہزاروں بچوں کو بال مزدوری کے جال سے آزاد کرانے کا اہم فریضہ انجام دیا۔

کیلاش ستیارتھی بال مزدوری سے آزاد کرانے کے بعد بچوں کا اسکولوں میں داخلہ کرادیتے تھے۔ اس طرح سے کیلاش ستیارتھی نے بال مزدوروں کے معصوم بچپن کو استحصالی ہاتھوں کے ذریعے تباہ و برباد ہونے سے بچا کر اپنی بچپن بچاؤ تحریک کو معنویت عطا کی۔

اس کے بعد 'بچپن بچاؤ تحریک' کو بڑی تیزی سے پذیرائی اور مقبولیت ملنا شروع ہوگئی۔ رفتہ رفتہ اس کی شہرت ملک سے باہر بھی ہونے لگی۔ خاص طور سے جنوبی ایشیائی ممالک مثلاً بنگلہ دیش، نیپال، پاکستان اور شری لنکا میں بھی پہنچ گئی۔ کیلاش ستیارتھی کے اس انسانی ہمدردی کے کام کی شہرت دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا میں پہنچ گئی اور 'بچپن بچاؤ تحریک' سے متاثر ہوکر مختلف ملکوں کے رضاکاروں اور سماجی کارکنوں نے اس ضمن میں عوامی بیداری کی مہم چلانے میں ان کا کھلے دل سے ساتھ دیا۔

انگریزی میں یہ کہاوت مشہور ہے کہ Child is the Father of Nation آج کے بچے کل بڑے ہو

کر ملک کے رہنما بنیں گے۔ چنانچہ یہ سوچ عام ہوتی گئی کہ ایک صحت مند بچہ ہی بڑا ہو کر اپنے ملک کی تعمیر و ترقی میں حصہ لے سکتا ہے اور ایک صحت مند معاشرے کے قیام میں اپنا تعاون دے سکتا ہے۔

کیلاش ستیارتھی کی اس 'بچپن بچاؤ تحریک' کی حمایت میں عالم گیر پیمانے پر بڑی بڑی ریلیاں نکالی جانے لگیں۔ ان میں سے ایک 'گلوبل مارچ' بھی تھی جو 1998 میں بال مزدوری کے خلاف بلائی گئی تھی، جس میں 100 سے زیادہ ممالک کے 70 لاکھ لوگوں نے حصہ لیا تھا۔ اس میں بال مزدوری کی بدترین صورت حال کو فوراً ختم کرنے کی مانگ کی گئی تھی۔ اقوام متحدہ کی محنت کشوں کی عالمی تنظیم (ILO) نے اپنے 1999 کے کنونشن میں اس قرارداد کو منظوری دے دی۔

کیلاش ستیارتھی کا حوصلہ اس قرارداد کے پاس ہو جانے سے اور بھی بڑھا۔ اب وہ یہیں نہیں رُکے بلکہ بال مزدوری سے آزاد ہونے والے بچوں کی صحت مند پرورش اور تعلیم کے لیے، انھوں نے وسیع پیمانے پر عوامی بیداری کی مہم چلانی شروع کر دی، جس کا بہت اچھا نتیجہ یہ نکلا کہ 2001 میں یونیسکو (UNESCO) کے بنیاد گزار رکن کی حیثیت سے انھیں ایک اعلیٰ سطح کے گروپ میں شامل کر لیا گیا۔ جس کی نگرانی میں سب کے لیے تعلیم (Education for All) کی ذمے داریاں عائد کر دی گئیں۔

کیلاش ستیارتھی نے بال مزدوری کے جبر سے آزاد کرائے گئے بچوں اور نوجوانوں کے لیے 'جس بال متر اگرام' کا آغاز کیا تھا، اس پر اب عالمی پیمانے پر دنیا کے بیشتر ملکوں میں کام شروع ہو چکا تھا۔ کیلاش ستیارتھی کی اِس عوامی تحریک کی وجہ سے بھارت کے آئین میں بھی ترمیم و اضافہ کر کے تعلیم کو بنیادی حقوق میں شامل کر لیا گیا۔ اس کے تحت 14 سال تک کی عمر کے سبھی بچوں کے لیے اسکولی تعلیم مفت اور لازمی قرار دی گئی۔ اس حق تعلیم کے قانون کے پاس ہو جانے کی وجہ سے معاشی طور سے پچھڑے ہوئے بچوں کی تعلیم کا انتظام پوری طرح سے حکومت کی ذمے داری ہو گئی۔ علاوہ ازیں، بال مزدوروں پر قانونی طور پر پابندی عائد کر دی گئی۔ اس سے فائدہ یہ ہوا کہ معاشی اعتبار سے کمزور بچوں کا اسکولوں میں داخلہ مفت ہونے لگا تھا اور 14 سال کی عمر تک کے بچوں کے لیے تعلیم لازمی قرار دے دی گئی تھی۔

کیلاش ستیارتھی کی اِس غیر معمولی انسانی خدمات اور انتھک محنت کی بدولت ان کی زندگی میں وہ خوبصورت دن بھی جلدی آ گیا، جب انھیں 2014 میں عالمی امن کے نوبل انعام سے سرفراز کیا گیا۔ اِس نوبل انعام میں بچوں کے انسانی حقوق اور تعلیم کی بہبود پر لگاتار کام کرنے والی پاکستانی شہری ملالہ یوسف زئی بھی شریک تھی۔

دراصل، کیلاش ستیارتھی کا کچھ کر گزرنے کا وہ خواب جو انھوں نے بچپن میں دیکھا تھا، وہ اس نوبل انعام کی شکل میں اب شرمندۂ تعبیر ہو چکا تھا۔

بچو! اسی لیے کہا جاتا ہے۔ زندگی میں کسی خواب کا ہونا ضروری ہے۔

■

Dr. Perwaiz Shaharyar
Flat No.43C, Pocket-A, DDA SFS Flats
Sukhdev Vihar New Delhi - 110025
Mob.: 9910782964
drspahmad@gmail.com

نظم

فراق جلال پوری

موٹو جی

موٹوں کے سردار ہمارے موٹو جی
کھاتے ہیں سو بار ہمارے موٹو جی
بھڑ جاتے ہیں دُبلے پتلے لڑکوں سے
اور کھاتے ہیں مار ہمارے موٹو جی
مرغا بنتے ہیں ٹیچر کے آگے روز
عادت سے لاچار ہمارے موٹو جی
بٹن سی آنکھیں پیٹ ہے ڈھولک کے جیسا
ایسے ہیں سرکار ہمارے موٹو جی!!
شیشے میں تربوز کے جیسے چہرے کا!
کرتے ہیں دیدار ہمارے موٹو جی
اے بی سی ڈی سے ہیں دور اور پڑھتے ہیں
انگلش کا اخبار ہمارے موٹو جی!
دشمن کے آگے ہوں چاہے جیسے بھی
پر یاروں کے یار ہمارے موٹو جی!!
آجاتے ہیں جب بھی فراق اکزام کے دن
ہوتے ہیں بیمار ہمارے موٹو جی!

■

Firaq Jalalpuri
Mohalla - Qazipura
Post.: Jalalpur
Distt.: Ambedkar Nagar - 224149 (UP)
Mob.: 9758772746
firaqahmad56@gmail.com

نظم

عطا عابدی

بچوں کی دنیا

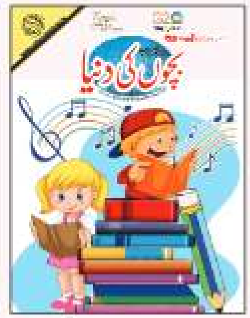

بچوں کی دنیا
ہر پل ثابت ہوتی ہے
خوشیوں کی دنیا

بچوں کی دنیا
سب کو اچھی لگتی ہے
بچوں کی دنیا

بچوں کی دنیا
ایسی دنیا ہے، جو ہے
بچوں کی دنیا

مستی کی گھڑیاں
بچوں کی دنیا میں ہیں
خوشیاں ہی خوشیاں

رونق پھولوں کی
گلشن جیسی دنیا ہے
بچوں کی دنیا

اپنوں کی دنیا
بچے پڑھتے رہتے ہیں
'بچوں کی دنیا'

بچوں کی دنیا
سچ پوچھو تو ہوتی ہے
شاہوں کی دنیا

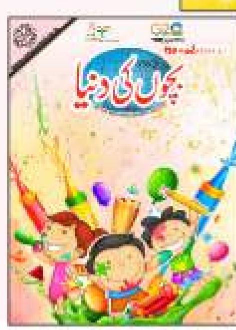

منزل سپنوں کی
مکتب کی دنیا ہے
دنیا بچوں کی

■

Ata Abdi
C/o Book Emporium
Urdu Bazar, Sabzi Bagh
Patna - 846004 (Bihar)
Mob.: 7903021559
ataabidi100@gmail.com

امان الحق بالاپوری

بوجھو تو جانیں

اسے رب نے بخشا عجب ڈیل ڈول
سیہ رنگ کا اس نے پہنا ہے خول

کھڑا ہو تو لگتا ہے کوئی پہاڑ
ہولناک ہوتی ہے اس کی چنگھاڑ

بڑا پیٹ، ٹانگیں بھی ہیں موٹی موٹی
مگر اس کی آنکھیں بڑی چھوٹی چھوٹی

ہلاتا رہے سوپ جیسے وہ کان
مہاوت کا کہنا بھی لیتا ہے مان

دکھانے کے ہیں دانت اس کے الگ
چبانے کے ہیں دانت اس کے الگ

سدا سونڈ اپنی ہلاتا رہے
پکڑ کر اسی سے ہی کھاتا رہے

بتاؤ تو بچو ذرا اس کا نام
ملے گا تمھیں اک بڑا سا انعام ■

Amanul Haque
Darul Aman, Jawli Base
Balapur - 444302
Distt.: Akola (Maharashtra)
Mob.: 9822695795

مسٹر خرگوش

سنو سنو مسٹر خرگوش
آؤ دوڑیں دوش بدوش

آؤ اچھلیں کودیں ہم
آؤ گائیں ترا رم پم

کان تمہارے کیوں ہیں دراز
کیا ہے اس کے پیچھے راز

آنکھیں کیوں ہیں لالم لال
کیوں ہیں ان کا ایسا حال

صورت سے تم بھولے ہو
کیا سچ میں بھی ایسے ہو

پاس مرے جلدی آجاؤ
آؤ اپنا حال سناؤ

■

Parwana Burhanpuri
Gazi Salar Maidan Mominpura
Burhanpur - 450331 (MP)
Mob.: 8871702698
nalainfatima2670@gmail.com

نظم

خواب دیکھا کرو

رخشاں ہاشمی

خواب تو خواب ہے
خواب اک باب ہے
خواب ہے زندگی
خواب کمخواب ہے
خواب دیکھا کرو
خواب دیکھا کرو

خواب ہے روشنی
خواب ہے دلکشی
خواب میٹھا ہو تو
خواب ہے چاشنی
خواب دیکھا کرو
خواب دیکھا کرو

خواب بنیاد ہے
خواب آزاد ہے
خواب ہے دلنشیں
خواب فریاد ہے
خواب دیکھا کرو
خواب دیکھا کرو

خواب توقیر ہے
خواب جاگیر ہے
آنکھ کے حسن کی
خواب تعبیر ہے
خواب دیکھا کرو
خواب دیکھا کرو

خواب آنسو بھی ہے
خواب خوشبو بھی ہے
خواب ایک آسرا
خواب جگنو بھی ہے
خواب دیکھا کرو
خواب دیکھا کرو

■

Rakhshan Hashmi
Rizwi Colony
Shah Zubair Road
Munger-811201 (Bihar)
Mob.: 9304342562
c.crazy.rr@gmail.com

نظم

خطاب عالم شاذ

تقدیر

خوشی کا یہ رشتہ بھی تقدیر سے ہے
غموں کا وصیلہ بھی تقدیر سے ہے

خوشی کا شناسا امیری نہیں ہے
کہ غم کا مداوا غریبی نہیں ہے

عمارت میں روتے امیروں کو دیکھا
مکانوں میں ہنستے غریبوں کو دیکھا

فقیروں کی کٹیا میں خوش حالی دیکھی
محل میں شہنشاہ کی بدحالی دیکھی

امیری، غریبی یہ ادنیٰ کہ اعلیٰ
یہ طرفہ تماشا عجب ہے نرالا

خوشی ہے کہ غم، جو بھی ہے وہ ملے گا
مقدر میں جو ہے وہ مل کر رہے گا

یہاں کھیل تقدیر کا چل رہا ہے
جو کاتب ہے اس کی اُسے سب پتا ہے

خدا سے دعا شاذ ہر پل یہ کرنا
اے میرے خدا ہر خوشی دیتے رہنا

■

Khatab Alam Shaz
Osman Manzil, H/No. 387/1/166, Sthir Para
Road West, Purwasa,
PO - Kankinara, Pin - 743126
Dist - North 24 Parganas, (W.B)
Mob. No. 8777536722
Email.: khatabalamshaz@gmail.com

نظم

جوکر

اشتیاق احمد راشد

دیکھو! بچو یہ ہے جوکر
سرکس کا ہے اچھا نوکر
کرتب خوب دکھاتا ہے
روتے کو بھی ہنساتا ہے
اشکوں کو اپنے پیتا ہے
اوروں کی خاطر جیتا ہے
دنیا کا غم یہ سہتا ہے
پھر بھی کچھ نہ یہ کہتا ہے
کام اسے کرتے رہنا ہے
یوں جیتے مرتے رہنا ہے
اس کے بارے میں بھی سوچو
سرکس تم بھی جاکر دیکھو
سرکس اب لگتا بھی نہیں ہے
گھر اس کا چلتا بھی نہیں ہے
جانے کہاں گم ہو گیا جوکر
جیسے جاگا ہی نہیں سوکر

■

Ishtiaque Ahmed
21, P. M Bustee, 4th Bye Lane
Shibpur
Howrah - 711102 (West Bengal)
Mob.: 8240162221
Email.: ishtiaqueahmedrashid@gmail.com

عبدالناصر

میری چھتری

گرمی میں جب آئی چھتری
کالی کالی پیاری چھتری
ہم نے لگائی دھوپ میں چھتری
بارش میں کام آئی چھتری
میری چھتری پیاری چھتری

لے کے گئے اسکول جو اس کو
اچھلے کودے لے کر اس کو
ٹیچر نے جب دیکھا اس کو
جھٹ سے پاس بلایا مجھ کو
میری چھتری پیاری چھتری

شام کو جب میں واپس آیا
چھتری کو سینے سے لگایا
چپکے سے تھا اس کو چھپایا
دیکھ نہ لے یہ ڈر تھا سمایا
میری چھتری پیاری چھتری

ہو گئی رخصت میری چھتری
آئی نئی پھر ہاتھ میں چھتری
ساتھ ملی پھر تھوڑی ہدایت
غم سے پائی میں نے راحت
میری چھتری پیاری چھتری

Dr. Abdul Nasir
Vill - Pakthoul
P.O - Khizer Chak
Via Brauni - 851112
Distt - Begusarai (Bihar)
abdulnaseer.jnu@gmail.com

نظم

سید عقیل احمد

آم

آم پھلوں کا راجہ پھل ہے
آم بہت ہی پیارا پھل ہے
آم بہت ہی پیارا پھل ہے

کیری سے امچور بنانا
چاہے پکوانوں میں ملانا
آم بہت ہی پیارا پھل ہے

چٹنی اور اچار بناؤ
کھٹ مٹ شربت پیو پلاؤ
آم بہت ہی پیارا پھل ہے

کیسر، ہاپوس، لنگڑا، قلمی
کھاؤ دسہری، نیلم، دیسی
آم بہت ہی پیارا پھل ہے

سڑے نہیں ہوں دیکھو جانو
پہلے دھو لو ملو یا کاٹو
آم بہت ہی پیارا پھل ہے

گودا بھرا ہے پیلا پیلا
میٹھا میٹھا اور رسیلہ
آم بہت ہی پیارا پھل ہے

پوری سویاں اور چپاتی
اس سے کھاؤ تم چاول بھی
آم بہت ہی پیارا پھل ہے

دانت نہیں تو وہ بھی کھائے
بچے بوڑھے سب کو بھائے
آم بہت ہی پیارا پھل ہے

■

Syed Aqeel Ahmed
H.No.: 1-1-30, Qila Gali
Udgir - 413517
Distt.: Latur (Maharashtra)
Mob.: 7385191213
syedakheel15@gmail.com

دیشمکھ ساجد مقصود

ہمیں اسکول جانا ہے

ہمیں اسکول جانا ہے، ہمیں اسکول جانا ہے
جہالت کے اندھیرے کو، ہر اک گھر سے مٹانا ہے
ہمیں تعلیم کا سورج ، ہر اک گھر میں اگانا ہے
ہمیں اسکول جانا ہے، ہمیں اسکول جانا ہے
یہی تعلیم انساں کو، یہاں انساں بناتی ہے
تعصب اور نفرت کو، دلوں سے یہ مٹاتی ہے
یہ انسانوں کو پستی سے ، زمانے میں اٹھاتی ہے
ہمیں مژدہ یہ ہر کس اور ناکس کو ، سنانا ہے
ہمیں اسکول جانا ہے، ہمیں اسکول جانا ہے
جہالت روگ ہے، جنجال ہے، آزار ہے لوگو!
جہاں میں انپڑھوں کی زندگی ، دشوار ہے لوگو!
ہر اک محفل میں جاہل کی ہتک، دھتکار ہے لوگو!
لہذا علم کے پھولوں سے ، گلشن کو سجانا ہے
ہمیں اسکول جانا ہے، ہمیں اسکول جانا ہے
جہالت پر ہماری انگلیاں ، دنیا اٹھاتی ہے
یہ طعنے کستے رہتی ہے، ہمیں نیچا دکھاتی ہے
ہمیں اسکول جانا ہے ہمیں اسکول جانا ہے
ہمیں قرآن نے پہلا سبق، اقرا پڑھایا ہے
سلیقہ ہم کو جینے کا ،زمانے میں سکھایا ہے
ہر اک مخلوق میں افضل، ہمیں رب نے بنایا ہے
ترانہ علم کا ساجد! ہر اک سو گنگنانا ہے
ہمیں اسکول جانا ہے، ہمیں اسکول جانا ہے

■

Deshmukh Sajid Maqsood
Maulana Azad Urdu High School
Ghatnandra Tq Sillod
Distt.: Aurangabad - 431113 (Maharashtra)
Mob.: 7387934926

سحرش نسیم

میں ہوں غریب لڑکی

میں ہوں غریب لڑکی
یارب میری دعا ہے
چھوٹی سی التجا ہے
میں ہوں غریب لڑکی
فریاد سن لے جس کی
مثل شمع جلوں میں
تعلیم خوب لوں میں
کوئی بھی آئے مشکل
ہرگز بنوں نہ بزدل
حالات سے لڑوں میں
محوِ سفر رہوں میں
جس سے ہو دل منور
وہ علم تو عطا کر
ماں باپ کی اطاعت
کر کے میں پاؤں جنت
طاقت عطا ہو مجھ کو
راضی کروں میں تجھ کو
کر لے قبول یارب
میری دعاؤں کو سب
سحرش کی مدعا ہے
یارب یہی دعا ہے

■

Sahrish Naseem Shaikh Mohammed
Sayyed Pura, Balapur
Balapur - 444302 (Maharashtra)
Mob.: 9529269952

ہمالیہ کی سیر

میں نویں درجے میں اول اور میرا بھائی مونو اتنے ہی اچھے نمبروں سے پانچویں درجے کے سالانہ امتحانات میں کامیاب ہوئے۔ ہمارے والدین نے اپنے وعدے کے مطابق ہمیں چھٹیوں کے لیے ایسی جگہوں پر لے جانے کے لیے منصوبہ بنایا جہاں ہم اس علاقے کے اور ماحولی حالات کی براہِ راست معلومات حاصل کرسکیں۔ ظاہر ہے کہ وہ تعلیم کے ساتھ تفریح شامل کردینا چاہتے تھے۔

ہم سب نے ایک مناسب جگہ پر جانے کے لیے سوچا۔ ممی نے بتایا کہ ایسے شہر کے مقابلے میں جس میں تیز بھاگتی ہوئی شور شرابے کی زندگی ہو، ماحول کی آلودگی ہو، دیوانہ وار آمد و رفت ہو، وہ ایک پرامن، خاموش پہاڑی جگہ پر جانے کو ترجیح دیں گے۔ ڈیڈی بھی یہی چاہتے تھے۔ ان کو پہاڑی جگہوں کے ماحول اور ان کی صحت بخش آب و ہوا کے بارے میں احساس تھا، جنگلوں کی خاموشیاں اور ان کا سکون، ندیوں کی تازہ فرحت آمیز ٹھنڈک نہ صرف ہمارے ذہنی تناؤ کو دور کریں گی بلکہ ہمیں اس بات کا موقع بھی ملے گا کہ ہم یہ دیکھیں کہ ہم سے الگ بھی کیا چیزیں ہیں۔

ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنے منصوبوں کو آخری شکل دینے سے پہلے نانی سے مشورہ کرلیا جائے۔ انھوں نے بہت زیادہ سفر کیے تھے اور وہ ان جگہوں کے بارے میں اچھی معلومات رکھتی تھیں جس میں ہمیں زیادہ دلچسپی ہوسکتی تھی۔

جب ہم نانی ماں کے پاس ان سے مشورے کے لیے پہنچے تو وہ بھی ہماری طرح جوش میں آگئیں اور جب ممی نے کیدارناتھ اور بدری ناتھ کے سفر کے بارے میں اپنی تجویز رکھی تو وہ اس تجویز پر اچھل پڑیں۔

''تو یہ طے ہوگیا'' ڈیڈی نے کہا۔

''ہم کیدارناتھ اور بدری ناتھ جائیں گے''، ہم سبھی نے خوشی میں تالیاں بجائیں۔

ہم نے سفر کے لیے بہت تیزی سے تیاریاں شروع کیں۔ ڈیڈی نے ٹرین میں جگہیں محفوظ کرالیں اور جون

کے پہلے ہفتے میں ہم ہردوار کے لیے عظیم ہمالیائی سلسلے کے راستے پر روانہ ہوگئے۔

ہردوار میں گنگا

دونوں قدیم شہر ہردوار اور رشی کیش بڑے اور بھاری شوالک ہمالیہ کے سلسلہ کوہ کے دامن کی پہاڑیوں میں بسے ہوئے شہر ہیں۔

جیسا کہ ہمارے پروگرام میں شامل تھا کہ ہماری پہلی منزل ہردوار ہوگی جہاں ہم دو ایک دن گزاریں گے۔ مقدس جگہوں اور شہر کی دیگر قابل دید جگہوں پر جائیں گے۔

ہم نے اپنا کمرہ ایک ہوٹل کی پہلی منزل میں محفوظ کر دیا تھا۔ جہاں کے بالا خانے کے برآمدے سے ہم گنگا ندی کی ہلکورے مارتے ہوئے چشمے کو دیکھ سکتے تھے۔ رات کو جب پورے چاند کا عکس ندی کی سطح پر پڑتا تو وہ ہمارے دلوں کو بہت مسحور کر دیتا۔

ہمارا دن گنگا کے صاف وشفاف پانی میں مذہبی رسم کے مطابق ڈبکی لگانے سے شروع ہوا، اور اس کے بعد ہم نے پرارتھنا کی۔ جلدی سے تھوڑا سا کھایا اور اس کے کنارے واپس آگئے اور باقی دن نانی سے کہانیاں سنتے رہے ان کے پاس قدیم دور کی ہندوستانی کہانیوں کا ختم نہ ہونے والا ذخیرہ تھا۔ انھوں نے گنگا ندی کے نکلنے کی شروعات ہونے کی جگہ اور ہمالیہ سے میدان کی طرف اس کے پہنچنے کے آخری اتار کا نقشہ کھینچا۔ ہمیں اس قصے سے کافی معلومات حاصل ہوئیں۔ دلچسپ روایتوں اور گنگا ندی سے متعلق ذیلی قصوں سے ہم بہت محظوظ ہوئے۔ نانی ماں نے اس بات کی بھی وضاحت کی کہ اس عظیم ندی کی ہمارے ملک کی تہذیب کی تشکیل میں کیا اہمیت ہے۔ انھوں نے ہمیں بتایا کہ ہمارے مذہب اور فلسفہ کا بہترین حصہ اسی گنگا کے ساحل پر تخلیق ہوا اور لکھا گیا۔ نسل در نسل ہمارے آبا و اجداد کی راکھ اس پاک گنگا ندی کی دائمی لہروں میں بہائی جا چکی ہیں۔

انھوں نے پنڈت جواہر لال نہرو کے قول کو دہرایا:

''گنگا کی کہانی، ہندوستان کے تہذیب وتمدن کی کہانی ہے۔ اس کی جائے پیدائش سے لے کر سمندر تک کا سفر، قدیم دور سے دور جدید تک وہ انسان کی مہم جوئی اور ذہنی جستجو کی علامت ہے۔ یہ ہندوستان کے مفکروں کے ذہنوں پر چھائی رہی۔ زندگی کی فراوانی، تکمیل اور ساتھ ہی ساتھ اس کی نفی اور ترکِ دنیا، نشیب وفراز، عروج وزوال، زندگی اور موت، سب کچھ ہمالیہ کے ساتھ ساتھ ہے۔ وہ ہماری وراثت ہے جس پر ہم فخر کر سکتے

ہیں۔اس نے ہمیشہ ماحولیاتی توازن و ماحول کی پاکیزگی اور تازگی کو برقرار رکھا ہے ان وسیع و عریض علاقوں تک جہاں یہ بہتی ہے۔''

نانی نے یہ بھی بتایا کہ ہندوستان کی الگ الگ تہذیبوں کو آپس میں جوڑنے کا عظیم کام بھی یہ گنگا کرتی رہی ہے۔اس کا جادوئی اور شاندار سرچشمہ اوپر کی طرف گومکھ اور نچلی سطح پر گنگا ساگر ہے۔ لا تعداد ہندوستانی، ذات پات مذہب اور زبان سے قطع نظر خاص تیوہاروں اور موقعوں پر اس کے کنارے نہانے کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ان کے لیے یہ زندگی، پاکیزگی، ہم آہنگی اور مکمل خوشی کی علامت ہے۔دنیا کی کوئی ندی ایسی نہیں ہے جس کو دیوی جیسا تقدس حاصل ہو اور اس لیے یہ ماں کہلاتی ہے۔ زمانے سے اس کی تعریف، اس کی خوبیوں کے بارے میں رشیوں، منیوں، شاعروں اور مفکروں نے گیت لکھے اور گائے ہیں۔

گنگا کے گھاٹ پر گزری ہوئی شام کے نظارے ہمارے دل و دماغ، ہماری یادداشت میں بیش بہا قیمتی چیز کے طور پر چھائے رہیں گے۔ ڈبکی لگانے کی مذہبی رسم کے بعد سیکڑوں بھگت منتر پڑھتے ہوئے دودھ اور پھولوں کی بھینٹ چڑھاتے ہیں۔پوجا کا اختتام جلتے ہوئے گھی کے دیے (دیپ) تیرانے سے ہوتا ہے۔یہ دیے سوکھے پتوں پر رکھ کر ندی کے بہاؤ کی طرف تیراتے ہیں۔ یہ تقریب، دیپ دان، کہلاتی ہے۔بے شمار ٹمٹماتے ہوئے دیے گنگا میں بہتے ہوئے بہت دلکش لگتے ہیں اور اسی سے مشاہدہ کرنے والوں کو بہت خوشی حاصل ہوتی ہے۔اس اعتقاد اور مذہبی رسم کے ماحول میں روایتی آرتی، عوام کے ہجوم کے ذریعے گائی جانے والی آرتی مندر کے گھنٹوں اور شنکھوں کی آواز میں خوشی اور دل کو موہ لینے میں مزید اضافہ کرتی ہیں۔پورا ماحول اتنا پر جوش و ولولہ انگیز ہو جاتا ہے کہ کوئی بھی شخص اس میں مکمل طور پر کھو سا جائے۔

اگلی صبح بالکل بھور میں ہم گنگا ندی میں ایک چھوٹی ناؤ کے ذریعے تفریحی سیر کے لیے نکلے۔ گلابی گلابی چمکدار مشرقی افق نے گنگا کی لہروں میں دل کو موہ لینے والا رنگ پیدا کر دیا جو کہ بتدریج سنہرے نارنگی رنگ کا ہو گیا اور اس طرح آسمان کے بدلتے ہوئے رنگ سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہوتا رہا۔جیسے جیسے ہم ندی کے بہاؤ کی طرف چلے، گھاٹ اور اس پر پر جوش نہانے والے اور مندر کی چوٹیاں اور مگن کرنے والے پھڑ پھڑ کرتے ہوئے پھریرے بہت ہی مستند دکھائی دے رہے تھے۔ صبح کی پرارتھنا کی موسیقی، گھنٹیوں کی جھنکار اور دیگر موسیقی کے آلات ماحول میں رچے بسے بھلے لگ رہے تھے۔جیسے ہی ہماری ناؤ آگے کو بڑھی، نہایت لطیف منظر آ گیا۔بہت ساری جنگلی چڑیاں اڑ رہی تھیں اور ساری خوشی سے چہچہا رہی تھیں۔ یہ چڑیاں سرد، پر لطف، بھینی بھینی ہلکی ہواؤں میں آسمان میں ایک لمبی سی قطار میں اڑی جا رہی تھیں۔ برف جیسے سفید راج ہنس چمکدار نیلے پانی میں شاندار طریقے سے تیر رہے تھے۔مرغابیوں کی ایک خاصی تعداد اور ان کے چھوٹے چھوٹے چوزے مسرت و شادمانی میں ندی کے کنارے پیلی اور لمبی گھاس پھوس اور ہری ہری گھاسوں کے سامنے بہت ہی جاذب نظر لگ رہے تھے۔

دوشوالک پہاڑیوں کے پیچھے سورج طلوع ہو رہا تھا اور ندی کا پانی صبح کی کرنوں میں چمک رہا تھا، پہاڑی کے

قریب گھنے ہرے بھرے درختوں پر چڑیاں پھدک رہی تھیں، سریلے انداز میں چہچہا رہی تھیں اور جب کہ کوئل وقتاً فوقتاً کوکو کی مدھر آواز نکال رہی تھی، قریبی گاؤں کی عورتیں شوخ کپڑے پہنے ہوئے ندی کے کنارے برتن صاف کر رہی تھیں یا کپڑے دھو رہی تھیں جب کہ ان کے ننھے منے بچے یا تو تیر رہے تھے یا چھپا کے مارتے ہوئے شور کر رہے تھے۔

مرد اپنے بیلوں اور ہلوں کے ساتھ اپنے کھیت میں ہل چلا رہے تھے اور اس مسرت آمیز ماحول میں زور زور سے گانے گا رہے تھے۔ ہرے بھرے سبزہ زار اور آم و لیچی کے گھنے جھنڈ ہلکے ہلکے سبک رفتاری سے ہل ڈُل رہے تھے۔ تازہ ہوا میں ان پھلوں کی مہک بھری ہوئی تھی۔ گنگا کے چاروں طرف کا ماحول دل کو موہ لینے کے انداز میں ہمیشہ زندگی کے سر و تال میں نسلوں کو سحر زدہ کرتا رہا ہے۔

جب ہم واپس ہوئے ندیوں کا ایک دوسرا پہلو بھی ذہن میں آیا اور اس کے بارے میں ہم سوچ سوچ کر پریشان ہوتے رہے۔ میں اپنے آپ کو روک نہیں سکا اور پوچھا 'ڈیڈی' میں نے کبھی یہ پڑھا تھا کہ ندیوں کے سیلاب جس میں گنگا ندی بھی شامل ہے، بہت زیادہ تباہی و بربادی پھیلاتے ہیں۔ کیا اسے روکا نہیں جا سکتا؟''

''بڑی حد تک سیلاب قدرتی طور پر تباہی و بربادی پھیلاتے ہیں اور انسان اسے روکنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ خاص وجہ تو بارش کی کثرت ہے جس سے ندیوں میں پانی زیادہ ہو جاتا ہے اور جہاں برف جمی رہتی ہے وہاں غیر معمولی درجہ حرارت کی وجہ سے برف غیر معمولی طور پر پگھلتی ہے اور سیلاب کے لیے وجہ بن جاتی ہے، لیکن کچھ ماحولیاتی وجہ بھی ہو سکتی ہے جس کے لیے انسان کو ہی ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے۔''

ڈیڈی نے وضاحت کی۔

''ڈیڈی، وہ کیا ہے؟ کیا وہ وجہ براہِ کرم آپ ہمیں بتا سکیں گے؟''

"ندیوں کے قریب جنگل تیزی سے ختم ہو رہے ہیں۔ پیڑوں کی جڑیں زمین کے اندر گہری اور دور دور تک پھیلی رہتی ہیں، گھنی جھاڑیاں اور سبھی طرح کے پودے، گھاس پھوس جو جنگل میں اگتے ہیں، وہ مٹی کو قائم رکھنے اور بارش کے پانی کو روکنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب بارش کے پانی کا تقریباً 50 فیصد پی لیتے ہیں۔ جب بارش ختم ہوجاتی ہے تو بھی وہ جذب ہوئے حصے کو اپنے وجود میں برقرار رکھتے ہیں۔ اگر پیڑوں کو اندھا دھند طریقے سے کاٹا جائے تو یہ سارا پانی ندیوں میں بہہ جائے گا اور سیلاب کا سبب بنے گا۔ اگر پیڑوں کو ضائع کیا جائے تو مٹی کا کٹاؤ ہوگا یعنی کہ پیڑوں اور دوسری جھاڑیوں کو جو اپنی جڑوں کو پھیلائے رکھتی ہیں اور مٹی کو بھی سنبھالے رکھتی ہیں یہ سب بارش کے پانی کی وجہ سے ندی میں بہہ جائیں گی اور ندی کی سطح کو بلند کردیں گی۔ نتیجے کے طور پر ندیاں اتھلی یا کم گہری ہوجاتی ہیں اور زائد پانی ان کے کناروں سے تیزی سے بہتا ہے جو کہ آس پاس کے لوگوں کی زمین کو غرقاب کردیتا ہے۔"

"ڈیڈی" آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس اس تباہی سے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ہے؟"

"اس سیلاب کے غیظ وغضب کو لگام دیتے ہوئے ان کے زائد پانی کو سینچائی کے لیے دور دور تک زمین کے قطعے کے لیے بنائی گئی نہروں کی طرف موڑا جاسکتا ہے لیکن یہ بہت ہی مہنگا اور قیمتی پروجیکٹ ہے۔"

نانی ماں نے بتایا، "سیلاب کے علاوہ ایک اور زیادہ سنجیدہ پہلو بھی ہے۔"

"کیا، نانی؟"

نانی نے بتایا، "گنگا سب سے پہلے ہردوار کے میدانی علاقے میں پہنچتی ہے اس لیے وہاں مقابلتاً صفائی ستھرائی ہے لیکن اور نیچے کے میدانوں میں خطرناک حد تک ماحولیاتی آلودگی ہے۔"

مونو نے پوچھا، "نانی، گنگا میں کیسے آلودگی ہوتی ہے؟"

بڑے صنعتی شہروں میں مختلف طرح کی فیکٹریوں، کارخانوں، سے کیمیائی فاضل اشیا ردّی اور لاکھوں ٹن زہریلا پانی بہت ہی غلط اور بے ڈھنگے پن سے گنگا ندی میں پہنچتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ شہر کے گندے پانی کا بہاؤ اسی ندی میں ہوتا ہے۔ ٹنوں کوڑا کرکٹ، مرے ہوئے جانور اور انسان اس میں پھینکے جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ لوگوں کی غیر صحت مندانہ عادتیں اور اوہام پرستی اور

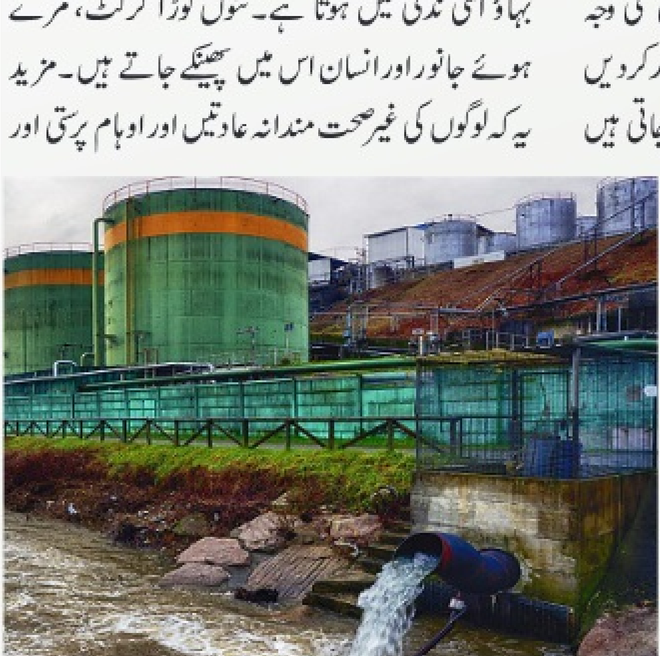

ضعیف الاعتقادی کے نتیجے میں یہ گھاٹوں اور ندی کے کناروں کا مختلف طریقے سے غلط استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے یہ ضروری اور اہم ہے کہ عوام کو اس کے بارے میں معلومات فراہم کی جائیں اور انھیں بتایا جائے کہ ندیوں کو صاف رکھنا اور آلودگی سے پاک رکھنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا ان کے گھروں، کنوؤں، گاؤں اور قصبوں کا صاف رکھنا۔ کیا تم نے اخباروں میں نہیں پڑھا کہ ہماری حکومت نے حال ہی میں کچھ بہت بڑے بڑے منصوبے تیار کیے ہیں جو کہ ہردوار اور دیگر شہروں، جو کہ اس کے کنارے بسے ہوئے ہیں وہاں گنگا ندی کی صفائی کی جائے گی؟ جو 'نہان' کے تیوہار ہوتے ہیں جیسے کہ کمبھ میلا جس میں بہت زیادہ بھیڑ ہوتی ہے، عوامی صحت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ حکومت اس سلسلے میں کروڑوں روپے ان منصوبوں پر خرچ کرتی ہے۔"

"لیکن نانی، اس خطرناک حالت میں اس طرح کے حوصلہ افزا منصوبے کسی چیز کا مستقل حل تو نہیں ہوسکتا جب تک حکومت قانونی طور پر ان بے پرواہیوں اور بے قاعدگیوں، جس کا ذکر آپ نے کیا ہے اس پر پابندی نا لگا دے۔"

"مجھے اتفاق ہے۔" نانی نے کہا۔

ہم تیسرے دن 22 میل دور اوپر کی طرف رشی کیش گئے۔ وہاں ہم نے گنگا ندی کو آرام سے لکشمن جھولے کے اوپر جھولتے ہوئے پار کیا۔ نیچے چکر کھاتی گنگا ندی کی ٹھنڈک کے ساتھ ہی ساتھ پہاڑیوں سے گھرے ہوئے گھنے پیڑوں سے بہتی ہوئی دل کو ٹھنڈک پہنچانے والی ہواؤں نے ہمارے اندر جھرجھری کی لہریں پیدا کردیں۔ ہمارے چاروں طرف بدلتے ہوئے مناظر دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ مندر، گھاٹ، دلکش رنگ کی ہوئی پہاڑیوں کی ڈھلانوں پر بنی ہوئی عمارتیں، لائبریریاں، عیسائی خانقاہیں، خیراتی ادارے سبھی کچھ اپنی طرف بلا رہے تھے۔ ہم گھاٹ پر ڈبکی لگانے کے لیے گئے اور مندروں میں پرارتھنا کی۔ ہم چند یوگا آشرموں روحانی مشنوں اور خیراتی اداروں میں بھی گئے جہاں نیک اور بھلے کام کیے جاتے ہیں۔

■

ماخذ: ہمالیہ کی سیر، مصنف: کملا شرما شیاملا، **مترجم:** سید ظفر الاسلام، **سنہ اشاعت:** مارچ 2001، **ناشرین:** چلڈرن بک ٹرسٹ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، بچوں کا ادبی ٹرسٹ

جواب

1	بلند دروازہ فتح پور سیکری	2	نیشنل لائبریری آف انڈیا	3	250	4	مولانا ابوالکلام آزاد
5	انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی	6	24 اکتوبر 1945	7	7 مئی 1861	8	ہائیڈروجن
9	پانچ دن	10	گیان پیٹھ ایوارڈ	11	آسٹریلیا	12	کلپنا چاؤلہ
13	مدوجزر اسلام	14	نیویارک	15	ڈپٹی نذیر احمد	16	حیدرآباد
17	گردہ	18	23 اپریل	19	1955	20	Citric Acid

کہانی

وہ بچہ

جہانگیر انس

محمد عثمان دادا میرے اپنے دادا کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ وہ گوپال گنج میں رہتے ہیں۔ وہاں ان کا ایک تین منزل کا مکان ہے جس میں ان کے گھر والے اور کچھ کرائے دار رہتے ہیں۔ عثمان دادا کی عمر 80 برس سے کچھ زیادہ ہے لیکن ان کی صحت بہت اچھی ہے۔ وہ اپنا سارا کام خود کرتے ہیں۔ ہمیشہ صاف ستھرا کپڑا پہنتے ہیں۔ وہ سب کے کام آتے ہیں۔ وہ اپنے تمام رشتے داروں سے بہت محبت کرتے ہیں۔ رشتے دار امیر ہوں یا غریب، اس سے انھیں کوئی مطلب نہیں۔ وہ سب کے گھر آتے جاتے رہتے ہیں۔ سب کے سکھ دکھ میں شریک رہتے ہیں۔

محمد عثمان دادا جب میرے گھر آتے ہیں تو گھر کے بڑے ہی نہیں بچے بھی کھل اٹھتے ہیں۔ بچوں سے انھیں بڑی انسیت ہے۔ وہ بچوں سے نہایت دلچسپ انداز میں ان کی پسند اور شوق کے متعلق سوال کرتے ہیں اور بچے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیتے ہیں، جسے سن کر وہ بہت خوش ہوتے ہیں ور شاباشی دیتے ہیں۔

اس روز جب عثمان دادا ہمارے گھر آئے تو شام کا وقت تھا۔ گھر کے تمام افراد سے ملاقات کرنے اور ناشتہ کرنے کے بعد انھوں نے جانے کا ارادہ کیا تو گھر کے بڑے لوگ انھیں روکنے کی کوشش کرتے، اس سے پہلے ہی زویا، ناز، عالیہ، ایان، غرض کہ گھر کے تمام بچے ان کا راستہ روک کر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے کہ ہم آج آپ کو نہیں جانے دیں گے۔ آج رات کو ہم آپ سے ایک کہانی سنیں گے۔ گھر میں ہمیں کوئی کہانی نہیں سناتا، سب لوگ رات بارہ بجے تک موبائل دیکھتے رہتے ہیں۔''

عثمان دادا نے سوال کیا ''تم لوگ موبائل نہیں دیکھتے ہو؟ بچے ایک دوسرے کا منھ دیکھنے لگے۔ ایان نے ہمت کر کے کہا ''کوئی ہمیں اپنا موبائل دیکھنے کو نہیں دیتا لیکن دادی جب دن میں سوجاتی ہیں تو ان کا موبائل چرا کر ہم لوگ دیکھ لیتے ہیں۔''

عثمان دادا نے کہا ''موبائل دیکھنا بری بات نہیں ہے لیکن بغیر ضرورت اور حد سے زیادہ موبائل دیکھنا بری بات ہے۔ بچوں کو تو موبائل دیکھنا ہی نہیں چاہیے۔ انھیں اپنی پڑھائی پر دھیان دینا چاہیے۔ موبائل چھپا کر یا چرا کر دیکھنا تو نہایت ہی غلط کام ہے۔ اللہ تعالیٰ چوری اور چوروں کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ ان کے لیے دینی قانون اور دنیاوی قانون، دونوں میں سخت سزا مقرر ہے۔ چوروں کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ سب حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ چوری چھوٹی بڑی نہیں ہوتی ہے۔ ایک سوئی چرانے والا چور بھی چور ہوتا ہے اور ایک جہاز چرانے والا بھی چور ہی کہلاتا ہے۔ تم لوگ وعدہ کرو کہ آج سے موبائل چرا کر نہیں دیکھو گے اور نہ کبھی جھوٹ بولو گے کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے '' سچے کا بول بالا، جھوٹے کا منھ کالا''

سب بچوں نے وعدہ کیا کہ اب کبھی کسی کا موبائل چرا کر نہیں دیکھیں گے اور نہ کبھی جھوٹ بولیں گے تو محمد عثمان دادا نے انھیں شاباشی دی اور کہا ''اچھا، تم لوگوں کی خوشی کے لیے آج میں رک جاتا ہوں اور تم لوگوں کی خواہش کے مطابق رات کو ایک کہانی بھی سناؤں گا۔''

رات کو گھر کے تمام افراد نے، جن میں بچے بھی شامل تھے ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد گھر کے بڑے لوگ کچھ دیر آپس میں گفتگو کرنے کے بعد اپنے کمروں میں سونے چلے گئے۔ محمد عثمان دادا کا بستر ڈرائنگ روم میں لگایا گیا تھا۔ وہ بھی اپنے بستر پر لیٹ گئے۔ تمام بچے ان کے بستر کے ارد گرد آ کر بیٹھ گئے اور کہانی سنانے کا ان کا وعدہ یاد دلانے لگے۔

عثمان دادا نے حسب وعدہ کہانی شروع کی۔ ایک بہت بڑے قصبے میں عبدالحمید نام کے ایک شخص رہتے تھے۔ وہ قصبہ ایک شہر کے بالکل قریب تھا اور اب شہر میں شامل ہو گیا ہے۔ ان کے پاس کافی زمین تھی جس کی فصل کی آمدنی سے ان کے خاندان کا گزر بسر ہوتا تھا۔ علاقے میں ان کی بہت عزت تھی۔ وہ غریبوں کی کافی مدد کرتے اور سماجی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ کوئی بھی دن ایسا نہیں ہوتا، جس دن ان کے یہاں کوئی مہمان نہ آتا ہو۔ انھوں نے اپنی بستی میں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی۔ اس شخص میں کافی خوبیاں تھیں اور چند کمیاں بھی تھیں۔ وہ کھانے پینے کے بہت شوقین تھے۔ لوگوں کی دعوت کرنے کا بھی انھیں شوق تھا۔ کھیتی سے جو آمدنی ہوتی اس سے بہت مشکل سے ان کا گھریلو خرچ اور شوق پورا ہوتا۔ کھیتی کرنے والوں کے ساتھ ایک بہت بڑا مسئلہ موسم کا ہوتا ہے۔

موسم اور حالات سازگار ہوتے ہیں تو فصل بہت اچھی ہوتی ہے اور موسم اور حالات سازگار نہیں ہوتے تو فصل بہت کم ہوتی ہے اور کبھی کبھی تو بالکل ہی نہیں ہوتی۔ اسی حالت میں کاشتکاروں کو قرض لے کر اپنا خرچ چلانا پڑتا ہے۔ قرض وہ مہاجن یا بینک سے لیتے ہیں لیکن ان کا سود اتنا ہوتا ہے کہ اصل تو دور رہا، سود کی رقم ادا کرتے کرتے ہی کسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ جب فصل نہیں ہوتی تو عبدالحمید کو بھی قرض لینا پڑتا جس کی وجہ سے ان کی مالی حالت دن بہ دن خراب ہوتی جا رہی تھی۔

عبدالحمید کے پاس کھیتی کی زمین کے علاوہ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ قصبہ کے مزدور طبقہ کے لوگوں کے

یہاں کا کوئی نہ کوئی فرد دوسرے شہروں میں کماتا تھا اور منی آرڈر کے ذریعے اپنے گھر والوں کے پاس پیسہ بھیجتا تھا۔ پوسٹ مین منی آرڈر لے کر قصبہ میں آتا تو عبدالحمید کے دروازے پر بیٹھ کر ہی لوگوں کو پیسے دیتا۔ یہ منظر دیکھ کر عبدالحمید کا دل بے قرار ہو جاتا۔ وہ سوچتے کہ کاش میرے یہاں بھی کوئی باہر سے کما کر پیسے بھیجنے والا ہوتا۔ ان کے تین لڑکے تھے اور سب سے بڑے لڑکے کی عمر دس سال تھی جو ابھی باہر جا کر کمانے کی حالت میں نہیں تھا۔ جب ان کے دل کی بے قراری زیادہ بڑھ گئی تو اس سے نجات پانے کے لیے انھوں نے ایک حل نکالا۔ وہ اپنی کچھ زمین کو فروخت کر دیتے اور اسی پیسے کو خود ہی اپنے نام سے منی آرڈر کرتے اور پوسٹ مین سے وصول کرتے۔ جس دن پوسٹ مین ان کے نام کا منی آرڈر لے کر آتا، خوشیوں کی انتہا نہیں رہتی۔ قصبے کے سارے لوگوں کی دعوت کرتے۔ رفتہ رفتہ ان کی تمام زمینیں ہی نہیں ان کی رہائشی مکان بھی فروخت ہو گیا۔ ایک باغیچہ کسی طرح باقی رہ گیا تھا اسی میں پھوس کی جھونپڑی بنا کر رہنے لگے۔

عبدالحمید کے منجھلے لڑکے کی عمر اس وقت دس سال تھی۔ وہ بہت حساس تھا۔ گھر کی غریبی اس سے نہیں دیکھی جاتی تھی۔ اس نے ایک سرکاری دفتر میں مین پولر کا کام کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت الیکٹرک کا نام ونشان نہیں تھا۔ گرمی کے دنوں میں سرکاری دفتروں میں چھت سے ایک جھالر نما کپڑا لٹکا دیا جاتا تھا۔ اس میں ایک لمبی ڈور لگی رہتی تھی جس کا آخری سرا آفس روم کے ایک کونے تک جاتا تھا۔ جسے کوئی کم عمر لڑکا یا کوئی ضعیف تان کر چھوڑ دیتا یہ کام مسلسل کرنا پڑتا اس سے ہوا پیدا ہوتی۔ یہ ایک عارضی کام تھا جو صرف گرمی کے موسم تک چلتا۔ اس کے کارکن کو معمولی پیسے پر چار مہینے کے لیے بحالی کیا جاتا۔

عبدالحمید کے منجھلے لڑکے نے چار مہینے تک یہ کام کیا۔ اس کے بعد اس نے بہت سی دکانوں اور مکانوں

کہانی

میں چھوٹے چھوٹے کام کیے۔ پھر اس نے کپڑا اسلائی کا کام سیکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے کئی شہروں میں جا کر وہاں کے مختلف درزیوں سے درزی گیری کا کام سیکھا۔ اسی فن میں مہارت حاصل کرنے میں کئی سال لگے۔ وہ بچہ سے جوان ہوگیا۔ گھر آ کر اس نے اپنے والد سے ایک سلائی مشین خریدنے کے ارادے کا اظہار کیا اس وقت ایک سلائی مشین کی قیمت دو سو روپے تھی۔ لیکن اس کے والد دو سو روپے نہیں انتظام کر پاتے۔

اسے اتفاق ہی کہا جائے گا کہ کچھ دنوں بعد عبدالحمید کے ایک پرانے دوست ان سے ملنے آئے اور انھوں نے چھ سو روپے عبدالحمید کو دیے کہ اپنے برے وقت میں میں نے آپ سے چھ سو روپے قرض لیے تھے۔ میں بھول گیا تھا شکریہ، آپ بھی بھول گئے ہوں۔ لیکن آج پرانی ڈائری میں لکھا دیکھا تو مجھے یاد آ گیا۔

عبدالحمید نے چھ سو روپے میں سے دو سو روپے اپنے منجھلے لڑکے کو سلائی مشین خریدنے کے لیے دے دیا۔ اس لڑنے کے سلائی مشین خریدی اور شہر میں ایک سڑک کے کنارے سلائی مشین رکھ کر اپنا کام شروع کیا۔ اس لڑکے کی شیریں زبانی اور اخلاق کی وجہ سے اس کے یہاں کپڑا سلوانے والوں کی تعداد بڑھنے لگی اور اس کے کاروبار میں ترقی ہوتی چلی گئی۔

اس لڑکے نے غریبی دیکھی تھی۔ مجبوری کا احساس کیا تھا۔ امیر رشتے داروں کا اپنے غریب رشتے داروں کے ساتھ سلوک دیکھا تھا۔ وہ نیک دل تھا اور اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے تمام رشتے داروں کا خیال رکھے گا۔

اس لڑکے نے اپنی محبت اور ایمانداری سے اپنے بیچے گئے مکان کو بھی حاصل کر لیا اور اب وہ نہایت خوش حال اور اطمینان کی زندگی گزار رہا ہے۔

گھر کے تمام بچے نہایت ہی خاموشی سے سن رہے تھے۔ جب عثمان دادا نے کہانی ختم کی تو ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔

بچوں نے ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکتے دیکھا تو سوال کیا ”دادا! آپ رو کیوں رہے ہیں۔

محمد عثمان دادا نے کہا ”میں رو نہیں رہا ہوں بلکہ یہ آنسو نذرانہ ہیں اس خالق مطلق کی شان میں، جس نے ایک غریب بچے کی محنت، جدوجہد اور کامیابی کے صلے میں بہتر سے بہتر انعام سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ محنت و مشقت کرنے والوں، ایمانداری کا راستہ اختیار کرنے والوں، اچھے اخلاق والوں اور انسانیات کے راستے پر چلنے والوں کو کبھی نا امید نہیں کرتا۔ اس کا ایک نہ ایک دن بہتر صلہ دیتا ہے۔

محمد عثمان دادا کی بات ختم ہوئی تو تمام بچوں نے بہ یک زبان پوچھا ”کیا اس شخص کو جانتے ہیں، اس سے کبھی ملاقات ہوئی ہے...“

”محمد عثمان دادا نے کچھ دیر خاموشی اختیار کی پھر تمام بچوں کی طرف غور سے دیکھا اور دھیمی آواز میں بولے وہ بچہ میں ہی ہوں۔“

سب بچے حیرت سے محمد عثمان دادا کی طرف دیکھنے لگے۔

■

Jahangeer Uns
(Mojibur Rahman)
At: Rani Pur, Po.: Barharia - 841232
Distt.: Siwan (Bihar)
Mob.: 9162357830

فوزیہ حبیب

محنت کی کمائی

آج فراز کا میٹرک کا رزلٹ آنے والا تھا۔ گھر والے بہت زیادہ پُرجوش تھے اور ساتھ ہی دعائیں بھی کر رہے تھے۔ دادی تو فجر کی نماز سے ہی مصلے پر بیٹھی تھیں۔ ساڑھے نو بجے رزلٹ آنے والا تھا۔ فراز اپنے دوستوں کے ساتھ اسکول چلا گیا تھا حالانکہ رزلٹ دیکھنے کے لیے آن لائن کی سہولت بھی موجود تھی۔ مگر فراز کے کلاس ٹیچر نے کہا تھا کہ سب بچے اسکول آجائیں، رزلٹ ساتھ میں دیکھیں گے۔ فراز پہلی جماعت سے اب تک فرسٹ پوزیشن حاصل کرتا آیا تھا اور اس بار بھی اس کے اساتذہ اور والدین کو امید تھی کہ وہ اپنا ریکارڈ قائم رکھے گا۔ ساڑھے نو بجے کا انتظار کرتے کرتے پونے دس بج گئے۔ لیکن رزلٹ کا اعلان نہیں کیا گیا۔ سب بچے بے صبری سے انتظار کر رہے تھے۔ آخر نو بج کر پچپن منٹ پر رزلٹ آنا شروع ہوئے۔ حسبِ توقع فراز نہ صرف اسکول میں بلکہ پورے صوبے میں اول آیا تھا۔ سب نے خوشی سے چیخنا شروع کر دیا۔ کلاس ٹیچر عبداللہ صاحب نے اسے گلے لگا کر مبارکباد دی۔ اسکول والوں کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا، ہیڈ ماسٹر صاحب کی باچھیں کھل گئیں۔ آخر ان کے اسکول کا نام روشن کرنے والا فراز ہی تھا۔ فراز جلد از جلد گھر جانا چاہتا تھا تاکہ اپنے والدین کو یہ خوشخبری سنائے۔

فراز کا تعلق مڈل کلاس گھرانے سے تھا۔ اس کے والد بشیر احمد ایک آٹو ڈرائیور تھے اور والدہ بارہویں جماعت پاس تھیں۔ وہ گھر میں چھوٹے بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی تھیں۔ والد زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ لیکن آٹو چلا کر گھر کا خرچ اچھی طرح پورا کر لیتے تھے۔ آج کل آٹو ڈرائیوروں کی بھی ماہانہ آمدنی اچھی خاصی ہو جاتی تھی۔ گھر میں اللہ کے فضل سے کوئی تنگی نہیں تھی۔ فراز کو پہلی بار احساسِ کمتری کا احساس اس وقت ہوا جب وہ ساتویں

جماعت میں تھا۔اس کے ایک کلاس فیلو اسجد نے اس دن پوری کلاس کے سامنے سسپنس پھیلاتے ہوئے کہا:

''کل شام میں ہم لوگ آٹو میں زو (zoo) دیکھنے گئے تھے اور پتہ ہے، وہ آٹو کس کی تھی ؟''

''کس کی تھی ؟'' حماد کے پوچھنے پر اس نے مزاحیہ انداز میں بتایا:

''وہ فراز کے ابو تھے۔''

''تمھارے بابا آٹو چلاتے ہیں؟'' اس کے دوستوں نے پوچھا تو اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔اس دن گھر واپس آتے وقت وہ بہت اداس تھا۔ دادی نے وجہ پوچھی تو اس نے اسکول میں ہونے والا واقعہ بتادیا۔ دادی نے اس کو اپنے پاس بٹھا کر نرمی اور پیار سے سمجھایا۔

''دیکھو بیٹا! آٹو چلانا کوئی بری بات نہیں۔ تمھارا باپ اس گھر میں حلال کی کمائی لاتا ہے۔ وہ چور یا ڈاکو نہیں ہے اور نہ ہی نکمہ اور کام چور۔ محنت کرنے میں کیسی شرم؟ تم لوگوں کی باتوں پر دھیان نہ دو اور دل لگا کر پڑھائی کرو۔ تمھارے بابا اسی لیے تو اتنی محنت کرتے ہیں کہ تم پڑھ لکھ کر بڑے آدمی بنو اور ماں باپ کا نام روشن کرو۔''

اس وقت تو دادی کی بات اسے پوری طرح سمجھ میں نہیں آئی۔لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا۔اسے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ لوگ بہت سوں سے اچھے ہیں، لیکن دل میں ایک پھانس سی رہی کہ کاش اس کے بابا بھی کہیں آفس میں جاب کرتے اور وہ بھی دوسرے دوستوں کی طرح فخر سے کہتا کہ اس کے بابا بھی آفس میں جاب کرتے ہیں۔لیکن اس کے گھر کا ماحول اتنا اچھا تھا کہ اس کی منفی سوچ اس پر کبھی غالب نہ ہوئی۔ بابا ہمیشہ گھر آتے وقت کچھ نہ کچھ کھانے کی چیزیں لے کر آتے، بڑے لوگوں کی طرح ان کے گھر میں بھی پزا، برگر اور سینڈوچ سب کچھ آتا۔اس کے دسویں جماعت میں آتے ہی بابا نے اس کے لیے نئے ماڈل کی سائیکل بھی خرید کر دی تاکہ اسکول جانے میں آسانی ہو۔اپنی خواہشات کو پسِ پشت ڈال کر اس کے والدین نے ہمیشہ اس کی ضروریات پوری کی اور اس نے بھی انھیں مایوس نہیں کیا۔ آج اس کا رزلٹ دیکھنے کے لیے بابا نے بھی چھٹی کر لی تھی۔ ورنہ انھوں نے کبھی ایک دن کا ناغہ نہیں کیا تھا۔

فراز اسکول سے خوشی خوشی گھر واپس آیا تو اس کے گھر کے باہر بھیڑ جمع تھی۔ میڈیا اور اخبار والے اس کا انٹرویو لینے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ ان سب کے

درمیان اس کے والد کھڑے مسکرا رہے تھے۔ ان کا سینہ فخر سے چوڑا ہو گیا تھا۔ اخبار والوں نے فراز کو اس کی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہوئے پوچھا۔

''آپ اپنی کامیابی کو کس کے نام کرنا چاہیں گے'' تو فراز نے کہا کہ:

''میں اپنی کامیابی کو اپنے تمام اساتذہ اور والدین کے نام کرنا چاہتا ہوں، لیکن سب سے زیادہ حقدار میرے بابا ہیں۔ انھوں نے اپنی محنت اور جد و جہد سے مجھے اس مقام پر پہنچایا۔ آج میں فخر سے کہتا ہوں کہ میں آٹو ڈرائیور شبیر احمد کا بیٹا ہوں۔ میری دادی نے کہا تھا کہ کوئی کام چھوٹا نہیں ہوتا اور انسان اپنے نام سے نہیں کام سے پہچانا جاتا ہے۔''

سب لوگوں نے تالیاں بجا کر داد دی۔ اس کی بات سن کر فراز کے والد کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔

میڈیا والوں نے فراز کی تصویر لینی چاہی تو فراز نے کہا۔

''بابا! آپ اپنا یونیفارم پہن کر آئیں۔ ہم ساتھ میں تصویر لیں گے۔'' اس کے والد نے ہنستے ہوئے اپنا سر اثبات میں ہلایا اور یونیفارم پہننے اندر چلے گئے۔ فراز نے اپنے بابا کا ہاتھ پکڑ کر ان کے ساتھ تصویریں کھنچوائیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ بروقت اسے عقل آ گئی۔

واقعی کوئی کام چھوٹا نہیں ہوتا یہ تو محنت پر منحصر ہے۔ محنت کرنے والوں کی محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

■

Fouzia Habeeb
Asst. Prof., Islamiah Womens College
Vaniyambadi- 635751 (Tamil Nadu)
Mob.: 7904322597
fouziahabeeb05@gmail.com

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا/کی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر .... بتاریخ ....

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِ تعاون سالانہ -/100 روپے IFSC: CNRB0019009، A/C: 90092010045326 میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, Email.: magazines@ncpul.in

دستخط

انوکھا چوکیدار

زیب النسا

کسی گاؤں میں ایک بوڑھی عورت رہتی تھی۔ اسے سب کاکی کہتے تھے۔ وہ غریب اور بے سہارا تھی۔ وہ اپنے گزر بسر کے لائق پاپڑ بنا کر بیچتی تھی۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ اس دفعہ جب گاؤں میں میلا لگے گا تو ڈھیر سارے پاپڑ بنا کر بیچوں گی۔ اس لیے وہ پاپڑ بنانے میں لگ گئی۔ جب پاپڑ بن کر تیار ہوگئے تو اس نے انھیں دھوپ میں سوکھنے کے لیے رکھ دیا۔ دن بھر کام کرنے کی وجہ سے وہ بہت تھک گئی تھی۔ اس لیے بستر پر لیٹتے ہی نیند آگئی۔ شام ڈھلے اس کی نیند ٹوٹی تو اسے خیال آیا کہ پاپڑ تو دھوپ میں سوکھنے کے لیے رکھے تھے۔ کہیں اوس میں اب تک گیلے نہ ہوگئے ہوں۔ وہ ہڑبڑا کر آنگن میں آئی تو وہاں کا منظر دیکھ کر حیران رہ گئی۔ آدھے سے زیادہ پاپڑ غائب تھے اور جو تھوڑے بہت بچے تھے وہیں ٹوٹے اور بکھرے پڑے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر اسے رونا آگیا۔ تبھی اچانک ایک کوا آنگن کی دیوار پر آ کر بیٹھا اور کاؤں کاؤں کرنے لگا۔ اس کی آواز سن کر کاکی نے کوے کی طرف دیکھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کووں کا ایک جھنڈ آگیا۔ کاکی سمجھ گئیں کہ یہ انھیں کووں کی شرارت ہے۔ وہ دکھی ہو کر بولی:

”اے کووں! تم نے میری ساری محنت مٹی میں ملا دی۔“

کاکی کی بات سن کر کووں پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ سارے کوے اڑ گئے مگر ان میں سے جو شرارتی کوا تھا، وہ وہیں بیٹھا رہا۔ یہ نظارہ پاس کے پیڑ پر بیٹھی کوئل دیکھ رہی تھی۔ اسے کاکی پر بہت ترس آیا۔ وہ کوے کے پاس جا کر بولی:

”کوے بھائی! کچھ تو سوچو، تم ایک مجبور بوڑھی کو کیوں ستاتے ہو؟ تمھیں معلوم نہیں جن پاپڑوں کو تم نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر برباد کیا ہے، وہ انھیں بیچنے

لے جاتی۔ بے چاری کی روزی روٹی کا ذریعہ یہی پاپڑ تھے۔ ذرا سوچو یہ اب کیا کریں گی؟''

کوئل کی بات سن کر کوے کو غصہ آ گیا۔ وہ بولا ''چل ہٹ یہاں سے۔ بڑی آئی کاکی کی طرف داری کرنے والی! اپنی یہ نصیحت کسی اور کو سنانا۔ میں تو یہی کروں گا۔''

کوے کی بات سن کر کوئل نے ایک بار پھر اسے سمجھاتے ہوئے کہا ''اگر تمھیں بھوک لگے تو ایک یا دو پاپڑ لے کر کھا لیا کرو۔ اس طرح کسی کا نقصان کرنا اچھی بات نہیں ہے۔''

کوئل کوے کو سمجھا کر گھونسلے میں لوٹ آئی مگر اسے ڈر تھا کہ یہ کوا پھر سے یہی حرکت کرے گا۔ وہ سوچنے لگی میں کس طرح اس کوے کو، کاکی کا نقصان کرنے سے روکوں؟

اگلی صبح وہ کھانے کی تلاش میں جیسے ہی گھونسلے سے باہر آئی۔ اس نے دیکھا کاکی پاپڑ بنا کر سوکھنے کے لیے آنگن میں رکھ رہی تھیں۔ ''اے میرے رب! اب کیا ہوگا؟ کہیں وہ کوا پھر سے آ گیا تو؟ نہیں نہیں۔ اس دفعہ میں کاکی کے پاپڑوں کی رکھوالی کروں گی۔ انھیں برباد نہیں ہونے دوں گی۔'' یہ سوچ کر وہ جلدی سے آنگن کی دیوار پر آ کر بیٹھ گئی۔ کچھ ہی دیر بعد وہی شرارتی کوا پھر آ گیا اور جیسے ہی اس نے پاپڑ کا ٹکڑا اٹھایا، کوئل نے زور زور سے شور مچانا شروع کر دیا۔ کوئل کی آواز سن کر کاکی گھر سے باہر آ گئی اور کوے کو دیکھتے ہی اس کی طرف دوڑی۔ ڈر کے مارے کوے کی چونچ سے پاپڑ کے ٹکڑے چھوٹ کر زمین پر گر پڑے اور چکنا چور ہو گئے۔ یہ دیکھ کر کوئل کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ اب وہ کوا جب بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ پاپڑوں کو برباد کرنے آتا، کوئل شور مچا دیتی۔ کاکی باہر آ جاتی اور کووں کو مار بھگاتی۔ اس طرح پاپڑ برباد ہونے سے بچ جاتے۔

وقت گزرنے کے ساتھ کاکی سمجھ گئی کہ کوئل ان کی مدد کرنے آئی ہے اور پھر ایک دن ایسا آیا کہ کاکی نے اس کوئل کو اپنے پاس رکھ لیا۔ کوئل کی رکھوالی کی وجہ سے کاکی کے پاپڑ سدا کے لیے محفوظ ہو چکے تھے۔ اس سے ان کی خوب آمدنی ہونے لگی اور کاکی کوئل سے بہت پیار کرنے لگی۔

کوئل کی وفاداری کا قصہ پورے گاؤں میں پھیل گیا۔ کاکی، کوئل کو 'رن جھن' کہہ کر پکارنے لگی۔ ادھر اس شرارتی کوے کے بھوکوں مرنے کی نوبت آ گئی۔ اسے اپنی غلطیوں کا احساس ہوا۔ وہ دل ہی دل میں سوچنے لگا۔ کاش میں نے کسی مجبور کو نہ ستایا ہوتا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اگلے دن وہ چپکے سے کاکی کے گھر آیا تو دیکھا کہ کوئل بڑے آرام سے بیٹھ کر کھانا کھا رہی ہے۔ اچانک اس کی نظر کوے پر پڑی تو حیران رہ گئی۔ بولی ''ارے کوے بھائی! تمھیں کیا ہو گیا؟ تم اتنے کمزور کیسے ہو گئے؟ کیا بیمار ہو؟''

کوئل کی بات سن کر کوا بولا ''نہیں بیمار تو نہیں ہوں لیکن دانے دانے کو ترس گیا ہوں۔ کھانے کی تلاش میں سارا دن مارا مارا پھرتا رہتا ہوں۔ کئی دن سے پیٹ بھر کھانا نہیں ملا ہے۔ میں اپنے کیے پر بہت پچھتا رہا ہوں۔ بس تم کسی طرح کاکی کو منا لو وہ مجھے مارنے نہ دوڑیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں پاپڑ برباد نہیں کروں گا۔ اتنے

ہی پاپڑ اٹھاؤں گا جتنی بھوک ہوگی۔''

کوے کی بات سن کر کوئل کو اس پر ترس آ گیا۔ اس نے کوے سے کہا ''اچھا ٹھیک ہے۔ تم تھوڑے سے پاپڑ اٹھا کر کھا لیا کرنا۔ برباد مت کرنا۔ میں کاکی کو منا لوں گی۔''

کوئل کی بات سن کر کوا بہت خوش ہوا۔ وہ پاپڑ کا ایک ٹکڑا لے کر اڑ گیا اور ایک پیڑ کی ڈال پر بیٹھ کر مزے لے لے کر کھانے لگا۔

اب دیکھیے آگے کیا ہوا، ایک دن بہت تیز بارش ہو رہی تھی۔ کوئل اپنی سریلی آواز میں کاکی کا دل بہلا رہی تھی۔ تبھی اچانک کاکی کی نظر آنگن میں پڑ گئی۔ اس پیڑ پر شرارتی کوا اداس بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر کاکی نے کہا ''کیوں کوے راجا! آج خاموش کیوں بیٹھے ہو؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اپنی شرارتوں پر پچھتا رہے ہو۔ اگر ایسا ہے تو کوئی بات نہیں۔ صبح کا بھولا اگر شام کو گھر لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ مگر آج میں تم سے جو بھی کہوں اسے ہمیشہ یاد رکھنا۔ شرارت وہی کرو جس سے کسی کا نقصان نہ ہو۔ جانتے ہو ایک عظیم شخصیت کا کہنا تھا کہ مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے کیونکہ میں نے کبھی کسی کا برا نہیں کیا۔''

اتنا سننا تھا کہ پیچھے سے کوئل کی آواز آئی ''کاکی! وہ کون تھا؟''

کاکی نے مسکرا کر جواب دیا ''مہاتما گاندھی!''

''سچ!'' کوئل چہک کر بولی۔

یہ بات سنتے ہی کوے نے اب شرارت نہ کرنے کی ٹھان لی اور پھر دور وادیوں میں اڑ چلا۔ اس احساس کے ساتھ کہ ''اے میرے رب! بھولے سے بھی اب مجھ سے کوئی ایسی شرارت نہ ہو جس سے کسی کا دل دکھے۔''

■

Zebun Nisa
A-1, 4th Floor, M M Apartment
Okhla Vihar, Jamia Nagar
New Delhi - 110025
Mob.: 9899005083

قسط 7

جنگل کی کہانی

رمیش نارائن تیواری

مترجمہ

زینت شہریار

پیارے بچو! ہر عمر کے لوگوں کو قصے اور کہانی سننے کا شوق ہوتا ہے، خاص طور پر بچپن میں کہانیوں سے دلچسپی ہوتی ہے اورسبق آموز کہانیوں سے بہت کچھ سیکھتے بھی ہیں۔ اسی وجہ سے دادی، نانی اور امی وغیرہ سے کہانیاں سنانے کی فرمائش کرتے ہیں۔ بچوں کی پسندیدہ چیزوں میں جنگل اور جنگلی جانور کافی اہمیت کے حامل ہیں، بچے ٹیلی ویژن پر بھی ایسے کارٹون اور کہانیاں شوق سے دیکھتے ہیں۔

'جنگل کی کہانی' رمیش نارائن تیواری کی عمدہ کتاب ہے جس کا اردو ترجمہ زینت شہریار نے کیا ہے، بھیڑیا، شیر، بندر، اژدھا، موگلی اور قا وغیرہ اس کتاب میں بیس کہانیاں شامل ہیں جو آپس میں مربوط ہیں۔ بچوں کی دلچسپی اور پسندکے پیش نظر 'جنگل کی کہانی' کے عنوان سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے امید ہے کہ اسے آپ پسند کریں گے اور ان سے سبق بھی حاصل کریں گے۔

اب تک آپ بھیڑیا اور گیدڑ، شیر خاں کی دھمکی، بھیڑیا گروہ میں موگلی کا مطالعہ، شیر خاں کی سازش، لال پھول کا کرشمہ پڑھ چکے ہیں۔ موگلی جنگل سے انسانوں کی بستی میں بتایا گیا ہے کہ موگلی بھیڑیے والی زندگی چھوڑکر اب انسانوں کی بستی میں انسانوں والی زندگی گذاررھاتھا.گائوں کی چوپال پر لوگ رات رات بھر بیٹھ کرگپ شپ کیاکرتے تھے، بلدیونامی ایک شخص لنگڑے باگھ کے متعلق بتارھاتھاکہ وہ حقیقت میں ایک آسیبی باگھ ہے اوروہ انتہائی بدمعاش ہے،وہ اسی باگھ کے متعلق گفتگوکررھاتھاجسے موگلی بچپن سے جانتااورپہچانتاتھا،موگلی نے کہاکہ وہ باگھ ڈرپوک ہے اوراس میں گیدڑجتنی بھی ہمت نہیں ہے،یہ سن کربلدیویکابکارہ گیا،مکھیاکو موگلی کی یہ بے باکی اچھی نہیں لگی اس لیے اس نے کہاکہ موگلی کو مویشی چرانے کے کام میں لگادیاجائے تاکہ وہ وقت کا صحیح استعمال کرسکے۔ اب آگے (ادارہ)

بھیڑیا بچہ سے انسان بچہ

اس کے بعد تین مہینے تک موگلی آدمیوں کے طورطریقوں، ان کی بولی وغیرہ سیکھنے میں اس قدر مصروف رہا کہ اسے گاؤں کے پھاٹک سے نکلنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔ پہلے تو اسے کپڑے پہننے پڑے جس میں اسے بڑی الجھن محسوس ہوئی۔ اسے روپے پیسے کا حساب سیکھنا پڑا، جو اس کی خاک سمجھ میں نہیں آتا تھا اور کھیت جوتنا سیکھنے کی بات آئی تو وہ بالکل پریشان ہوا تھا کیونکہ کھیتی کی افادیت اور ضرورت کیوں ہے یہ بات اس کی سمجھ سے دور تھی۔ اسے اپنی طاقت کا بالکل اندازہ نہیں تھا۔ گاؤں والے کہتے تھے کہ وہ سانڈ کی طرح طاقتور ہے لیکن موگلی جانتا تھا کہ

جنگل کے کھلے جانوروں کے مقابلے میں وہ کتنا کمزور تھا۔ خوف نام کی چڑیا سے موگلی کا قطعی تعارف نہیں ہوا تھا۔ ایک بار پجاری نے اس سے کہا کہ اگر اس کے حصے کا کام کھائے گا تو مندر میں بیٹھے دیوتا اس سے ناراض ہو جائیں گے۔ بس موگلی مندر سے دیوتا کی مورتی اٹھائے ہوئے پجاری کے گھر جا دھمکا اور کہا کہ ذرا دیوتا کو ناراض کر دو تا کہ میں اس سے لڑ سکوں۔ اس حادثہ سے گاؤں میں سنسنی پھیل گئی۔ لیکن پجاری نے مسوا کے شوہر سے دیوتا کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کا وعدہ کر کے کئی سیر چاندی لے کر معاملے کو رفع دفع کر دیا۔ موگلی یہ بھی نہیں سمجھ پاتا تھا کہ ذات کی وجہ سے آدمی اور آدمی کے بیچ امتیاز اور فرق کیسے اور کیوں ہو جاتا ہے؟

ایک بار جب گاؤں کا کمہار گدھے پر اپنے مٹی کے برتن لادے دوسرے گاؤں کے میلے میں جا رہا تھا تو راستے میں گدھا ایک گڈھے میں گر گیا۔ موگلی نے گدھے کو دم سے پکڑ کر باہر کھینچ نکالا اور پھر اس پر ادھر ادھر بکھرے ہوئے برتنوں کو لادنے میں کمہار کی مدد کی۔ اس واقعہ پر بھی بہت ہائے توبہ مچی۔ پجاری نے موگلی کو نیچ ذات کے کمہار اور اس سے بھی گئے گزرے جانور گدھے کو چھونے کے جرم میں ڈانٹ پھٹکار سنائی۔ اس کی وجہ سے موگلی غصہ ہو گیا اور پجاری کو دھمکی دی کہ اگر وہ زیادہ بگڑے گا تو انھیں بھی گدھے پر لاد دے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ موگلی کو فوراً کسی کام میں لگا دینے کی ضرورت پجاری جی کو محسوس ہوئی۔ اس نے مسوا کے شوہر کو صلاح دی کہ موگلی کو بیکار گھومنے دینا ٹھیک نہیں ہے۔ اس کے دوسرے ہی دن موگلی کو بتا دیا گیا کہ اب اسے گاؤں کے باہر جانا پڑے گا۔ پجاری کی امید کے برعکس اس بات سے موگلی خوش ہوا۔

ایک رات وہ گاؤں کی چوپال پر گیا۔ جہاں مکھیا، گاؤں کا چوکیدار اور نائی جسے گاؤں بھر کی باتوں کا علم رہتا تھا اور ایک بوڑھا شکاری بل دیوان کے علاوہ گاؤں کے بزرگ آ کر جمع ہوتے تھے اور آدمی رات تک چلم پھونکتے اور دنیا بھر کی حاصل شدہ باتیں کرتے بیٹھے رہتے تھے۔ شکاری بل دیو اس دن شکار کے اپنے تجربے کی دلچسپ باتیں بیان کر رہا تھا۔ جنگلی جانوروں کے بارے میں وہ جو کچھ بتا رہا تھا انھیں سن کر موگلی کو ہنسی آئے بغیر نہ رہ سکی۔ بہت دیر تک وہ اپنا منھ گھٹنوں میں چھپائے ہوئے اس انداز سے بیٹھا ہنستا رہا کہ بل دیو دیکھ نہ لے بل دیو جانوروں کے متعلق جتنا ہی بڑھا چڑھا کر بیان کرتا جاتا، اتنی ہی موگلی کی ہنسی بڑھتی جاتی تھی۔ لیکن وہ چہرہ چھپائے ہوئے تھا۔ اس لیے صرف اس کی ہنسی سے ہلتے کندھے ہی دکھائی دیتے تھے۔ اس کے ہنسنے کی وجہ بھی تھی۔ خود جنگل کے سبھی جانوروں سے واقف ہونے کی وجہ سے موگلی سمجھ رہا تھا کہ بل دیوان کے بارے میں جو کچھ کہہ رہا ہے اس میں سے آدھی سے زیادہ گپ ہے۔

ہوتے ہوتے بل دیو کی بات کا سلسلہ اس لنگڑے باگھ تک پہنچا جو کئی سال پہلے مسوا کے لڑکے کو اٹھا لے گیا تھا۔ بل دیو بتانے لگا کہ وہ لنگڑا باگھ تو حقیقت میں ایک آسیبی باگھ ہے جس کے جسم میں ایک انتہائی بدمعاش بڈھے ساہوکار کی روح سرایت کر گئی تھی۔ اس ساہوکار کی موت کچھ برس پہلے ہوئی تھی۔

''میں یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اس باگھ میں پورن داس ساہوکار کی روح سما گئی ہے۔ اس بات کا ثبوت بھی ہے۔ ایک بار کسی فساد میں پورن داس کے گھر پر بلوائیوں نے

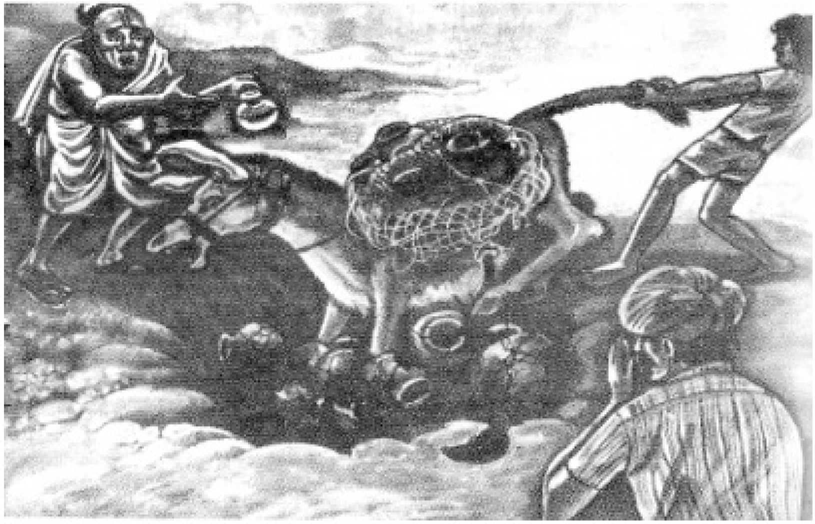

حملہ کر کے اس کا بہی کھاتہ وغیرہ جلا دیا تھا اور خود پورن داس کے پاؤں میں چوٹ لگ گئی تھی۔ اس کے بعد پورن داس جب تک زندہ رہا، لنگڑا کر چلتا تھا۔ میں جس باگھ کی بات بیان کر رہا ہوں وہ بھی لنگڑا ہے کیونکہ اس کے ایک پنجے کا نشان بقیہ تین پنجوں کے مقابلے میں ہلکا اور غیر واضح ہوتا ہے۔''بل دیو نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس لنگڑے باگھ کے جسم میں پورن داس کی روح رہتی ہے۔ وہ باگھ واقعی ایک آسیب ہے۔ جتنے بڑھے بیٹھے تھے سب نے تائید میں ایک ساتھ اپنی گردن ہلاتے ہوئے بل دیو کی بات کی حمایت کی۔

اب موگلی سے نہیں رہا گیا۔ وہ بولا ''کیا یہاں دیوی دیوتاؤں اور بھوت پریتوں کی جتنی کہانیاں بیان کی جاتی ہیں سب یوں ہی من گڑھت ہوتی ہیں؟ یہ بات تو سبھی لوگ جانتے ہیں کہ وہ لنگڑا باگھ اس لیے لنگڑا ہے کہ دراصل وہ لنگڑا پیدا ہوا ہی تھا۔ اس لنگڑے باگھ میں تو گیدڑ جتنی ہمت بھی نہیں ہے۔ اس کے اندر ساہوکار کی روح کا قیام بتا کر اسے آسیبی باگھ ماننا تو بالکل بچپنا ہے۔''

بل دیو تو بالکل ہکا بکا رہ گیا مکھیا اور دیگر آس پاس بیٹھے بڑھے پھونچکے ہو کر موگلی کی طرف دیکھنے لگے۔ کچھ دیر بعد بل دیو کی زبان کھلی۔ ''اوہو، یہ وہی جنگلی چھوکرا ہے! کیوں بے، اگر تو اتنا ہی سمجھ دار ہے تو کیوں نہیں اس لنگڑے باگھ کو مار کر اس کی کھال قصائی باڑہ لے جاتا؟ تجھے شاید معلوم نہیں ہے کہ سرکار نے اس کے مارنے والے کو سو روپے انعام دینے کی بات کہی ہے۔ اچھا ہو کہ تو بڑے بزرگوں کی باتوں میں ٹانگ مت اڑایا کر۔''

موگلی جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔''جب بل دیو ہی باتیں سچ نہیں بتاتا جن کے بارے میں وہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے انھیں دیکھا ہے تب بھلا میں اس کی بتائی دیوتاؤں، راکششوں اور بھوت پریتوں کی کہانیوں پر کیسے یقین کرلوں؟'' جاتے جاتے وہ بولا۔

بل دیو موگلی کی بیبا کی پر جھلا اٹھا اور بڑبڑاتا، بھنا تا بیٹھا رہا۔ مکھیا کو بھی موگلی کی بیبا کی اچھی نہیں لگی۔ بولا ''اس لڑکے کو کل ہی سے مویشی چرانے کے لیے بھیجنا شروع کر دینا چاہیے کیونکہ اس کو اب بیکار بیٹھے بیٹھے بہت مستی سوار ہو رہی ہے۔''

■

ماخذ: جنگل کی کہانی : رمیش نارائن تیواری، **مترجمہ:** زینت شہریار
دوسری اشاعت: 2022
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

اندر جیت لال

ریڈیم کی کہانی

کیا آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں سیسہ سے زیادہ قیمتی دھات کون سی ہے۔ یہ دھات ہے ریڈیم۔ جب سے ریڈیم کی دریافت ہوائی ہے۔ دنیا اس کی اتنی مقدار حاصل ہی نہیں کرسکی جسے ترازو میں آدھا کلو کے باٹ سے تول سکیں۔ دراصل دنیا بھر کے ذخیروں سے اس وقت تک صرف 250 گرام ریڈیم مل سکا ہے۔ ریڈیم کی قدر ہر آدمی نہیں جانتا لیکن جنھیں اس کی ضرورت پڑتی ہے مثلاً سائنس داں اور ڈاکٹر۔ وہ اس کے ایک ایک ذرّہ کی قدر کرتے ہیں اور اسے زیادہ سے زیادہ قیمت پر خریدنا چاہتے ہیں۔

ریڈیم کی خرید وفروخت اونس کے حساب سے نہیں ہوتی کیونکہ ریڈیم سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ اس کی قیمت سونے سے ڈیڑھ لاکھ گنا زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی خرید وفروخت رتیوں یا گراموں کے حساب سے ہوتی ہے۔ آج تک ریڈیم کی سب سے زیادہ مقدار جو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائی گئی ہے وہ صرف ڈھائی گرام ہے۔ حساب کے لیے یاد رہے کہ ایک گرام ایک اونس کا پچیسواں حصہ ہوتا ہے۔ اب مزے کی بات یہ ہے کہ یہ مقدار بھی فروخت نہیں ہوئی ہے بلکہ چیکوسلواکیہ کی سرکار نے انگلستان کو کچھ تحقیق و تجربے کے کاموں کے لیے اُدھار دی تھی۔

ریڈیم کی دریافت بڑی عجیب طرح سے ہوئی ہے۔ کہتے ہیں کہ 1895 میں فرانس کا ایک سائنس داں ہنری بکرمیل فاسفورس سے ابھرتی ہوئی روشنی پر تجربہ کررہا تھا کہ اچانک اس نے دیکھا کہ یورینیم کے اجزا فوٹوگرافی کی تختی پر اندھیرے میں کچھ اثر دکھا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کالے کاغذ سے اسے چھپا بھی دیا جائے تب بھی ان کا اثر تختی پر پہنچ جاتا ہے۔ یہ سائنس داں بڑا حیران ہوا مگر ریڈیم کی دریافت کے متعلق کوئی بات نہ بن سکی۔ ہاں سائنس کی دنیا نے جان لیا کہ یورینیم میں روشنی کی طاقت موجود ہے۔ اس زمانے سے اس طاقت سے کام بھی لیا جانے لگا۔ چنانچہ اس وقت سے شیشہ اور چینی کے برتن رنگنے میں آکسائڈ یورنیم برابر استعمال ہورہا ہے۔

یہاں پولینڈ کی ایک سائنس داں میڈم کیوری کا ذکر

ضروری ہے۔اس خاتون نے یورنیم کی چھپی ہوئی خوبیوں پر پیرس میں تحقیق شروع کردی اور کچھ تجربوں کے بعد یہ معلوم کرلیا کہ یہ روشنی کی طاقت والا مادہ خود یورنیم تو نہیں ہے بلکہ کوئی اور چیز ہے جو آکسائیڈ یورنیم سے ملی ہوئی ہے۔میڈیم کیوری نے اس مادہ کو کچھ پتلی شکل میں ڈھال دیا۔ پھر مختلف قسم کے تیزابوں سے دھویا اور صاف کرنا شروع کردیا۔ کچھ عرصے بعد میڈیم کیوری نے تین اونس یہ عجیب وغریب عنصر دریافت کیا۔یہ عنصر یورنیم سے ساٹھ گنا زیادہ سخت تھا۔اس سائنس داں کو اپنی دریافت پر بڑا فخر ہوا۔اس نے اپنا وطن پولینڈ کے نام پر اس عنصر کا نام پولونیم رکھ دیا۔آپ پولونیم کی دریافت کو ریڈیم کی طرف پہلی دریافت کہہ سکتے ہیں۔ یہ قابل ذکر ہے کہ اس عورت نے تین سال تک اپنی تحقیق جاری رکھی۔آخر میں اس نے یہ اعلان کیا کہ آکسائیڈ یورنیم میں روشنی کی طاقت کا اصلی راز اس نے دریافت کرلیا ہے اور وہ راز تھا ’ریڈیم‘۔

سرارنسٹ رتھرفورڈ نے اس کے بعد یہ معلوم کیا کہ ریڈیم کی شعاعیں تین قسم کی ہوتی ہیں۔ایلفا، بیٹا اور گاما۔ پہلی شعاع مثبت کہربائی لہروں کا مجموعہ ہے۔ دوسری شعاع پہلی سے دس گنا تیز ہے۔ یہ شعاع جلد میں سوا سینٹی میٹر اتر جاتی ہے۔گاما شعاع سیسے کی بارہ انچ موٹی تختی کو بھی توڑ کر نکل جاتی ہے۔

ریڈیم لگاتار گرمی اور طاقت پیدا کرتا ہے مگر خود دیکھنے میں اس کے جوہر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک گرام ریڈیم سال بھر میں اتنے وزن کی گرمی پیدا کرتا ہے جو تقریباً تیرہ کلو جمی ہوئی برف کو پگھلا کر کھولا دے سکتی ہے۔خیال یہ ہے کہ ریڈیم اپنی خوبیوں سے محروم ہونے کے بعد سیسہ ہوجاتا ہے۔لیکن اس تبدیلی کے لیے ہزاروں برس کا زمانہ چاہیے، اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ جو ریڈیم زمین میں 1500 برس قبل مسیح سے موجود بھی ہے وہ اب تک ریڈیم ہی کی شکل میں ہوگا۔

ریڈیم ایک بالکل مختلف مادے سے کیمیائی طور پر تبدیل ہوکر اپنی شکل میں آتا ہے۔ پرانے سائنس دانوں کو یہ معلوم ہوگیا تھا۔ بہرحال وہ اپنی عقل کے زور سے خیال کرتے تھے کہ تمام دھاتیں سونے کی شکل میں تبدیل کی جاسکتی ہیں اور ان دھاتوں سے اکسیر حیات یعنی امرت تیار ہوسکتا ہے اور ایسا امرت ریڈیم سے بھی تیار ہوسکتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر ریڈیم بگڑ کر سیسہ ہوجاتا ہے تو کیا یہ سچ ہے کہ شروع سے ہی زمین میں ریڈیم کی بہت بڑی مقدار موجود تھی اور کیا تمام موجودہ سیسہ کسی زمانے میں ریڈیم ہی کی شکل میں تھا۔ بہت ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ اگر اب ہم مان لیتے ہیں تو پھر زمین بھی شروع میں اپنی موجودہ حالت سے بالکل مختلف ہوگی۔ خالص ریڈیم کا حاصل کرنا بہت ہی مشکل ہے۔اگر حاصل ہو بھی جائے تو اس کا اصلی حالت میں پڑے رہنا اور بھی مشکل ہوجاتا ہے کیونکہ ریڈیم ہوا سے جلد اثر پکڑ لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریڈیم کی فروخت اس کے مختلف نمکوں، برومائیڈ، کلورائیڈ، کاربونیٹ اور سلفیٹ کی شکل میں موجود ہوتی ہے۔

ریڈیم سے ڈاکٹری میں بھی بڑے بڑے کام لیے جارہے ہیں۔ایک سائنس داں نے 1906 میں یہ معلوم کیا کہ اگر سیسہ کی تختی میں ریڈیم کی کرنیں دوبارہ چھان لی جائیں تو وہ جسم کے ان ریشوں کو زائل کردیتی ہیں جن پر

سرطان (Cancer) کا اثر ہو۔ مزہ یہ ہے کہ تندرست ریشوں پر ان کرنوں کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

آج کل ریڈیم مختلف بیماریوں کے علاج میں استعمال ہورہا ہے۔ مثلاً سرطان کی طرح کے ورم، نقاہت، ذیابیطس، خون کی کمی، ہیضہ، ٹائیفائیڈ میں ریڈیم اکسریز کے جلے ہوئے زخم اچھے کردیتا ہے۔ ٹائیفائیڈ، ہیضہ، اور بسھری کے جراثیم کو ختم کردیتا ہے۔ معدے کو درست کرتا ہے۔ اشتہا پیدا کرتا ہے اوران کیمیائی تبدیلیوں میں مددگار ہوتا ہے جو ہمارے جسم میں برابر جاری رہتی ہے۔

ریڈیم کا کچھ نقصان دہ اثر بھی ہوتا ہے۔ بہت عرصے تک ریڈیم کے زیر اثر رہنا نقصان پہنچاتا ہے۔ جو لوگ ریڈیم کے زیرِعلاج رہتے ہیں وہ اپنی حفاظت سیسے کی واسکٹیں پہن کر کرتے ہیں۔ پھر بھی ان کی صحت کو آخر سخت نقصان پہنچنے کا ڈر رہتا ہے۔ ریڈیم کی شعاعیں براہ راست کوئی نقصان نہیں پہنچاتیں لیکن آہستہ آہستہ خون کے سفید اور سرخ خلیے بگاڑ دیتی ہیں۔ خون کا دباؤ ہلکا کر دیتی ہے۔ اکثر خون میں کمی بھی پیدا ہوجاتی ہے۔ ناخن بدصورت اور ان کے گرد چاروں طرف کی کھال کھردری اور موٹی ہوجاتی ہے۔ چہرہ اور ہاتھوں کی جلد میں بھی خرابی پیدا ہوجاتی ہے۔

کیمسٹری کے سائنس دانوں کی نظر میں ریڈیم اگرچہ لوہے، تانبے کی طرح ایک دھات ہے مگر سب دھاتوں سے زیادہ وزنی ہے حتیٰ کہ سیسے بھی زیادہ اور یہ سب دھاتوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ ڈاکٹروں کی رائے میں ریڈیم ایک ایسی اکسیر ہے۔ ایک ایسا امرت ہے جو نئی زندگی دیتا ہے۔ ایسی دھات کی بہت مدت سے تلاش تھی۔ یہ جلد ہی دنیا کی کئی بیماریوں کا قابل علاج بننے والا عنصر ہے۔ آسمان کی سائنس کے ماہروں کا خیال ہے کہ ریڈیم سورج اور ستاروں کو روشنی دیتا ہے اوران کی طاقت کا ذمہ دار بنتا ہے۔

ریڈیم نے ڈاکٹر، فزیالوجی، آسمان کی سائنس، بایولوجی، علم ہندسہ کو اپنی کئی خوبیوں سے مالامال کیا ہے۔ وہ دن دور نہیں جب کہ اس کے متعلق نئی نئی باتیں معلوم ہوں گی اور ریڈیم زیادہ سے زیادہ تعمیری کاموں میں استعمال ہوا کرے گا اور زیادہ مقدار میں دریافت ہونا شروع ہوجائے گا۔ خدا وہ دن جلد لائے جب ریڈیم انسان کے کئی اور کام سنوارے گا۔ علم حیاتیات کے عالموں کی نگاہوں میں 'ریڈیم ہی شاید زندگی کا اصل منبع ہے' علم ہندسہ کے ماہرین کی رائے میں اگر ریڈیم کی کافی مقدار حاصل ہوجائے تو اتنی عظیم الشان قوت انسان کے قبضے میں آجائے گی جس کا تصور اس وقت مشکل نظر آتا ہے۔

ایک اور بات۔ دنیا بھر کے سائنس دانوں میں اس بات پر لے دے مچی ہے کہ آیا سورج پر ریڈیم موجود ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے آفتاب میں روشنی، حرارت اور توانائی تو ہے ہی۔ جو ریڈیم میں بھی بھرپور مقدار میں پائی جاتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق آفتاب کے ہالے میں ہیلیم کی بہت بڑی مقدار موجود ہے یا یوں کہیے کہ خود آفتاب کے اندر بھی توانائی سے لبریز خزانے موجود ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آفتاب کا نور، حرارت اور توانائی اسی ریڈیم کا کرشمہ ہو۔ تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔ آئندہ برسوں میں کچھ نئے انکشافات کی توقع ہے۔

■

ماخذ: سائنس کی باتیں: مصنف: اندر جیت لال، **پہلی اشاعت:** 1982، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

فیروز بخت احمد

اچھی صحت کا راز

جب قاسم کئی روز غیر حاضر رہنے کے بعد اسکول گیا تو اس کے دوست سلمان نے پوچھا ''ارے قاسم اتنے دن کہاں رہے؟ کیا ہوا آخر تمھیں؟ تم اتنے کمزور اور تھکے ہوئے کیوں لگ رہے ہو؟ سب ٹھیک ہے نا؟''

قاسم پے در پے اتنے سوال سن کر گھبرا گیا۔ اس کا چہرہ بھی زرد زرد سا لگ رہا تھا۔ اس نے کچھ ہمت جٹائی اور خلا میں دیکھتے ہوئے بولا ''کیا بتاؤں سلمان، دراصل بات یہ ہے کہ مجھے ٹھنڈ لگ گئی تھی اور اس کے بعد میں نزلہ، زکام، بخار اور بدن درد سے تقریباً ادھ مرا ہو گیا تھا۔''

''اوہو، اب سمجھ میں آیا۔ اگر مجھے صحیح یاد ہے تو دو ماہ پہلے بھی تم کافی بیمار پڑ گئے تھے اور بیچ بیچ میں بھی تم دو، تین دن کی چھٹیاں لیتے ہی رہے ہو۔''

سلمان کی یہ بات بالکل ٹھیک تھی کیونکہ قاسم کافی بیمار رہا کرتا تھا۔ اس کے والد نے اس کے سبھی ٹیسٹ بھی کرا لیے تھے کہ آخر وہ اتنا بیمار کیوں رہتا ہے۔ سبھی ٹیسٹوں کی رپورٹ لگ بھگ ٹھیک ہی تھی۔ ہاں، یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر کس وجہ سے وہ بار بار بیمار ہو رہا تھا۔ چونکہ سلمان قاسم کا لنگوٹیا یار تھا، اس لیے اسے اپنے قریبی دوست کی فکر ہو چلی تھی۔ سلمان نے قاسم سے کہا، ''قاسم تمھاری بیماری کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تم بارہ مہینے نزلہ، زکام کی دوا کھاتے رہتے ہو اور وہ بھی ایلوپیتھک، جس کے بہت سارے سائڈ افیکٹ اور دوسرے نقصان دہ اثرات ہوتے ہیں۔'' ''مگر سلمان میں کیا کروں؟ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ یہ بیماری میری زندگی کے ساتھ ہی جائے گی!'' قاسم اداس ہوتے ہوئے بولا۔

اپنے عزیز دوست کی اس مجبوری اور خراب صحت کی وجہ سے سلمان بھی قاسم کے بارے میں متفکر ہو گیا تھا۔ جہاں تک سلمان کا تعلق تھا، وہ خوب ہٹا کٹا اور صحت مند تھا۔ وہ دل سے چاہتا تھا کہ قاسم نہ صرف اس کی طرح تندرست ہو جائے بلکہ اس کے ساتھ وہ روز شام کو فٹ بال میچ کھیلنے جایا کرے۔ سلمان اپنے اسکول کی فٹ بال ٹیم میں بھی تھا اور حال ہی میں اس کی ٹیم زونل چیمپئن شپ جیتی بھی تھی، جس کے عوض ٹیم کے تمام کھلاڑیوں کو سونے کے میڈل ملے تھے۔ سلمان کو پتہ تھا کہ قاسم کے

بس کا مطلق بھی فٹ بال کھیلنا نہیں تھا۔ پھر بھی وہ چاہتا تھا کہ قاسم اپنی سستی سے باہر آئے اور کھیل کود میں حصہ لے۔ لہٰذا اس نے قاسم سے کہا کہ وہ اسی روز شام کو اس سے گھر کے قریب بنے اشوکا پارک میں پانچ بجے آئے۔

جب وقتِ مقررہ پر یعنی ٹھیک پانچ بجے قاسم اشوکا پارک گیا تو اس نے دیکھا کہ سلمان محلّے کے کچھ لڑکوں کے ساتھ فٹ بال کا میچ کھیل رہا تھا۔ قاسم کو دیکھتے ہی اس نے کھیل رکوایا اور اس کو اپنی ٹیم میں رکھ لیا۔

چند لمحوں میں ہی سبھی لڑکے اپنی اپنی جگہوں پر جا پہنچے اور قاسم سلمان کی ٹیم میں شامل ہوگیا مگر یہ کیا؟ ابھی اسے محض پانچ منٹ ہی ہوئے ہوں گے کھیلتے ہوئے، دوسری ٹیم کے کھلاڑی نے اسے کندھے سے دھکا دیا جس کی وجہ سے وہ نیچے گر گیا۔

قاسم میں دم تو تھا ہی نہیں۔ گرنے کے بعد وہ ڈر کے مارے میدان پر ہی لیٹا رہا۔ جس کھلاڑی نے اسے گرایا تھا وہ اس کے پاس آ کر اس کی مزاج پرسی میں لگ گیا۔ وہ کافی ڈرا ہوا بھی تھا کہ اگر کہیں قاسم کو گہری چوٹ آ گئی تو نہ جانے اس کو کون سی سزا بھگتنی پڑے۔ مگر اللہ کا شکر ہے قاسم کو کوئی چوٹ نہیں، وہ تو بس گرنے سے ڈر گیا اور اسی وجہ سے میدان پر لیٹا رہا۔ اس کے بعد وہ اٹھا اور تقریباً لنگڑاتا ہوا سائڈ لائن پر، ان لڑکوں کے ساتھ بیٹھ گیا جو میچ نہیں کھیل رہے تھے۔

جلد ہی میچ بھی ختم ہوگیا اور سلمان قاسم کے پاس آیا۔ کمزوری کے آثار اب بھی قاسم کے چہرے پر چھلک رہے تھے، مگر سلمان بولا ''قاسم، آج تم کافی بہتر نظر آ رہے ہو کیونکہ تم یہاں پارک میں آئے ہو اور اس کی صاف ستھری ہوا سے بس تھوڑی ہی دیر میں تمھارے چہرے پر رونق آ گئی ہے۔ تمھارا چہرہ، جو مرجھایا ہوا تھا، اب کھل گیا ہے۔

یہاں پارک میں آنا، دسیوں دوائیں کھانے سے قدرے بہتر ہے۔ سچ میں قاسم، تم کافی تازہ دم لگ رہے ہو۔ دیکھو، یہاں پیڑ، پودے، پھل، پھول، کیاریاں اور نہ جانے قدرت کی کیا کیا نعمتیں ہیں۔ لہٰذا تھوڑی دیر میں ہی تمھارے چہرے کا رنگ بہتر ہوگیا۔'' حالانکہ قاسم میں اس طرح کی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی مگر سلمان نے اس کی دلجوئی کرنے کے لیے اور اسے حوصلہ دینے کے لیے یہ ڈرامہ کیا تھا۔ اسے پوری امید تھی کہ وہ اس میں کامیاب ہوگا اور اپنے دوست کو تندرست کر سکے گا۔

یہ تمام باتیں سن کر ایسا لگا گویا قاسم اپنا چہرہ کسی آئینے میں دیکھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس نے اپنے بند موبائل فون کے اسکرین پر اپنا عکس دیکھنے کی کوشش کی مگر اسے کچھ نہ پتہ چلا۔ یہ دیکھ کر سلمان نے پھر کہا ''دیکھو قاسم، اگر تمھاری طبیعت یہاں تھوڑی دیر باغ میں آ کر اتنی بہتر ہوسکتی ہے تو میں تمھیں ایک اور ایسا جادوئی نسخہ بتاؤں گا کہ کوئی بھی بیماری تمھارے پاس نہیں پھٹکے گی۔''

''بھائی جادوگر، وہ ایسا کون سا جادو ہے؟!'' قاسم تھوڑا مزاحیہ انداز میں بولا۔

''جی ہاں! یہ جادو سے کم نہیں ہے۔'' سلمان نے بات بنتے دیکھا فوراً چٹکی لی۔ اس کے بعد سلمان قاسم کو اشوکا پارک کے ایک دوسرے کونے میں لے گیا، جہاں یوگا کی ایک کلاس چل رہی تھی۔ یہاں روز فری یوگا کلاس لگا کرتی تھی جس میں ہر عمر کے لوگ آیا کرتے تھے۔ قاسم

اور سلمان بھی پیچھے والی قطار میں کھڑے ہو گئے اور یوگا کے آسن کرنے لگے۔ کبھی 'پشچمو تھان آسن' تو کبھی 'متسیہ آسن' تو کبھی 'شو آسن' یا 'شاشتانگ آسن' وغیرہ کرائے گئے۔ یہ آسن دراصل قاسم کے لیے کچھ مشکل سے تھے۔ اس نے جب آسن کر لیے تو سلمان اس کے ساتھ پارک سے باہر آ گیا۔

اشوکا پارک کے پیچھے کی جانب وہی گلی تھی، جہاں سلمان رہتا تھا۔ وہاں مختلف قسم کی دکانیں تھیں، جن میں ایک دکان پوری، کچوری اور سموسے فروخت کرنے والے کی بھی تھی۔ شام ہو چلی تھی۔ قاسم بولا ''ارے سلمان یہاں تو بڑے اچھے گرما گرم سموسے تلے جا رہے ہیں! چلو ایک، ایک پلیٹ کھا لیتے ہیں۔'' اس پر سلمان نے قاسم کو لگ بھگ ڈپٹ سا دیا، ''قاسم یہی وجہ ہے کہ تمھاری صحت خراب ہو رہی ہے کہ تم یہ مصالحہ دار، مرچوں والی اور تلی ہوئی چیزیں کھاتے ہو، جس سے تمھارا ہاضمہ بول گیا ہے اور تم آئے دن بیمار رہنے لگے ہو۔ اگر چاہتے ہو کہ صحت مند اور طاقتور بنو تو ان چیزوں سے دور رہو۔''

دوسرے، تم دیکھ رہے ہو کہ کتنی ساری مکھیاں اس پر بھنبھنا رہی ہیں۔ یہاں دیکھو نالی سے بھی کتنی بدبو آ رہی ہے۔ ان دکانداروں کو سوائے کمائی کے اور کسی چیز کا خیال نہیں ہے۔ سلمان نے قاسم کو صفائی ستھرائی پر بھی ایک لیکچر دے ڈالا۔

اس شام کو جب قاسم گھر لوٹا تو اس کے اندر کافی بدلاؤ آ چکا تھا۔ اس نے سوچا جب ایک دن پارک میں جانے سے، تھوڑا فٹ بال کھیلنے اور یوگا کرنے سے اس کی طبیعت میں بہتری آ سکتی ہے تو کیوں نہ وہ ان تمام باتوں کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لے، مگر اس میں اسے سلمان کی مدد کی ضرورت تھی۔

اگلے روز ہفتے کا دن تھا اور دوسرا ہفتہ ہونے کی وجہ سے اسکول کی چھٹی تھی۔ قاسم صبح سویرے فجر کی نماز کے بعد ہی سلمان کے گھر پہنچ گیا۔ سلمان پہلے سے ہی جاگا ہوا تھا اور اس نے فجر کی نماز گھر پر ہی پڑھ لی تھی۔ اس کا معمول تھا کہ وہ نماز کے فوراً بعد گھر پر کچھ آسان اور چھوٹی موٹی ورزش کیا کرتا تھا، جن سے جسم میں کچھ گرمی آ جاتی

تھی۔ اس کے بعد وہ اشوکا پارک چلا جاتا جہاں وہ بلا ناغہ کبھی فٹ بال کھیلتا، یوگا کرتا یا پھر پارک دوڑ لگاتا۔ قاسم کو دیکھ کر اسے بڑی حیرانی ہوئی، مگر ساتھ ہی ساتھ خوشی بھی ہوئی کہ اس کے دوست پر اس کی باتوں کا کچھ اثر تو ہوا۔ وہ کھل کر بولا ''گڈ مارننگ، قاسم سر جی! آیئے، آیئے!''

اس کے بعد سلمان نے قاسم کو نہ صرف آسان جسمانی مشقیں کرائیں بلکہ اسے پرنیام بھی کرایا، جس میں ناک سے لمبی سانس لے کر اسے آہستہ آہستہ ناک سے ہی چھوڑنا ہوتا ہے۔ قاسم کو اس میں بڑا مزہ آیا۔

اس کے بعد قاسم نے باقاعدگی سے نہ صرف یوگا کرنا شروع کیا بلکہ ساتھ ہی ساتھ اس نے باغ میں سیر اور شام کو فٹ بال کھیلنا بھی اپنے روزمرہ ٹائم ٹیبل کا حصہ بنالیا۔ اس تبدیلی نے اس کی زندگی کو نیا رخ دے دیا۔ جن لوگوں نے ایک دو ماہ میں قاسم کو دیکھا تو وہ اسے پہچان ہی نہیں پائے کیونکہ اس کے چہرے کی رنگت زرد سے گلابی مائل ہوگئی۔ جسمانی اعتبار سے بھی پہلے جہاں و ڈھیلا ڈھالا لگتا تھا، اب کافی کسرتی اور چست درست ہوگیا تھا۔ اب اس کے بہت سے دوست بھی بن گئے تھے۔ وہ بڑا اسمارٹ ہوگیا۔

جب اسکول کی سالانہ تقریبات ہوئیں تو جہاں سلمان کو ہیڈ بوائے کا تمغہ دیا گیا، وہیں قاسم کو اسکول کے بہترین فٹ بال کھلاڑی کا انعام دیا گیا۔ جب مہمان خصوصی اسے انعام دے رہے تھے تو اس نے وہیں پرنسپل صاحب سے دو الفاظ کہنے کی اجازت چاہی جو کہ انھوں نے بخوشی دے دی۔

تب قاسم نے کہا ''حاضرین میں تہہِ دل سے اپنے مخلص دوست سلمان کا شکریہ ادا کرنا چاہ رہا ہوں کہ جس کی وجہ سے میری زندگی ہی بدل گئی۔ آج میں یہاں جس روپ میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں، اس کے لیے میں اپنے دوست، سلمان کا بے تحاشہ احسان مند ہوں۔ جس طرح سے اس نے مجھے یوگا کا منتر دیا، اس سے نہ صرف جسمانی طور سے مجھے فائدہ پہنچا ہے بلکہ پڑھائی میں بھی میں بہت آگے بڑھ گیا ہوں۔ آپ سب سے میری گذارش ہے کہ آپ سب یوگا اور صبح کی سیر سے اپنا ناتہ جوڑیں۔

''بہت بہت شکریہ!'' جس طرح سے لوگوں نے قاسم کے لیے بھرپور تالیاں بجائیں، اس سے اس کا خون مزید بڑھ گیا۔

ادپر پرنسپل صاحب بھی مائک پر آئے اور بولے ''حاضرین! مجھے پتہ ہے کہ شروع میں قاسم بیماری کی وجہ سے کافی چھٹیاں کیا کرتا تھا، مگر جب سے اس نے اپنے دوست، سلمان کی صلاح پر یوگا کرنا شروع کیا، سستی سے ناتہ توڑا، تو اس کا نتیجہ آپ سب کے سامنے ہے۔ حاضرین یہ سبق صرف ہمارے اسکول کے بچوں کے لیے ہی نہیں بلکہ ہم سب کے لیے ہے جس میں ہم اساتذہ اور والدین بھی شامل ہیں۔''

ایک مرتبہ پھر سبھی لوگوں نے تالیاں بجائیں اور آخر میں قاسم اور سلمان ایک دوسرے سے بغل گیر ہوگئے۔

■

ماخذ: اچھی صحت کا راز، **مصنف:** فیروز بخت احمد
مصور: ایف آئی فیضی، **سنہ اشاعت:** 2021
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

معلوماتِ عامہ بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب وثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہو جائیں گی۔

1. ہندوستان میں سب سے اونچا دروازہ کون سا ہے؟
2. ہندوستان کی سب سے بڑی لائبریری کا نام بتائیں؟
3. راجیہ سبھا میں ارکان کی تعداد کتنی ہوتی ہے؟
4. آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم کا نام بتائیں؟
5. IIT کا فل فارم کیا ہے؟
6. اقوام متحدہ کا قیام کب عمل میں آیا؟
7. رابندر ناتھ ٹیگور کی پیدائش کب ہوئی؟
8. سب سے ہلکی گیس کون سی ہوتی ہے؟
9. ٹیسٹ کرکٹ کتنے دن کا ہوتا ہے؟
10. ہندوستان میں ادب کا بڑا اعزاز کون سا ہے؟
11. سب سے چھوٹے براعظم کا نام بتائیں؟
12. ہندوستان کی پہلی خلاباز خاتون کون ہے؟
13. اردو کی طویل ترین نظم کون سی ہے؟
14. Statue of Liberty کہاں واقع ہے؟
15. اردو کے پہلے ناول نگار کون ہیں؟
16. چار مینار کس شہر میں ہے؟
17. کون سا عضو انسانی جسم میں خون صاف کرنے کا کام کرتا ہے؟
18. بین الاقوامی کتاب کا دن کب منایا جاتا ہے؟
19. SBI کا قیام کب عمل میں آیا؟
20. لیموں میں کون سا Acid پایا جاتا ہے؟

(جواب صفحہ نمبر 35 پر ملاحظہ فرمائیں)

چمن چمن کے پھول

شاعری میں بڑی طاقت ہے۔ اس سے تحریر وتقریر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، خطاب میں زور اور تحریر میں قوت پیدا کرنے کے لیے اشعار کا استعمال بہت کارگر ہوتا ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کو استاد شعرا کے ہزاروں اشعار یاد ہوا کرتے تھے اور وہ موقعے کی مناسبت سے ان اشعار کا استعمال بھی کیا کرتے تھے۔

'چمن چمن کے پھول' میں مختلف رنگ اور شاعروں کے شعر اس لیے دیے جاتے ہیں تاکہ بچے موضوع کی مناسبت سے اچھے اشعار یاد کریں اور اپنی تحریر وتقریر میں اشعار کا موزوں اور برمحل استعمال کرسکیں۔ (ادارہ)

کیفؔ پردیس میں مت یاد کرو اپنا مکاں
اب کے بارش نے اسے توڑ گرایا ہوگا

— کیف بھوپالی

کیوں مانگ رہے ہو کسی بارش کی دعائیں
تم اپنے شکستہ در و دیوار تو دیکھو

— جاذب قریشی

دھوپ نے گزارش کی
ایک بوند بارش کی

— محمد علوی

میں وہ صحرا جسے پانی کی ہوس لے ڈوبی
تو وہ بادل جو کبھی ٹوٹ کے برسا ہی نہیں

— سلطان اختر

دور تک پھیلا ہوا پانی ہی پانی ہر طرف
اب کے بادل نے بہت کی مہربانی ہر طرف

— شباب للت

اس نے بارش میں بھی کھڑکی کھول کے دیکھا نہیں
بھیگنے والوں کو کل کیا کیا پریشانی ہوئی

— جمال احسانی

اگر فرصت ملے پانی کی تحریروں کو پڑھ لینا
ہر اک دریا ہزاروں سال کا افسانہ لکھتا ہے

— بشیر بدر

ہم سے پوچھو مزاج بارش کا
ہم جو کچے مکان والے ہیں

— اشفاق انجم

کچی دیواروں کو پانی کی لہر کاٹ گئی
پہلی بارش ہی نے برسات کی ڈھایا ہے مجھے

— زبیر رضوی

اب کے بارش میں تو یہ کار زیاں ہونا ہی تھا
اپنی کچی بستیوں کو بے نشاں ہونا ہی تھا

— محسن نقوی

ننھے فنکار

شفا ریاض ملا، درجہ ششم، امن نگر بیلگام، کرناٹک

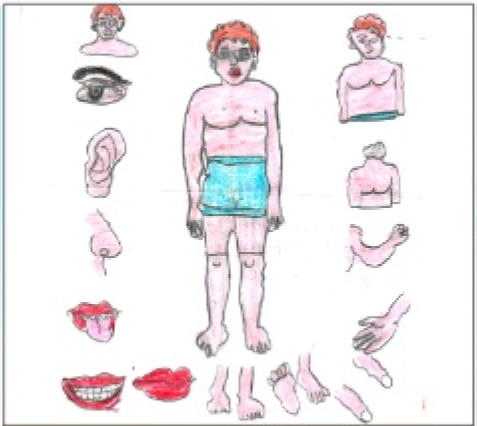

حذیفہ الیس منیار، درجہ ہفتم، ضلع بیلگام، کرناٹک

صالحہ عمران شیخ، درجہ دوم، اقرا شاہین قاضی اردو پرائمری اسکول
مہرون، جلگاؤں، مہاراشٹر

سدرہ شبیر، درجہ اوّل، سنگول، ضلع بیلگام، کرناٹک

نصیب اللہ مطیع اللہ خان، درجہ ششم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول، پوار بستی، چاکھلی، پونہ، مہاراشٹر

عبد الحسن ذیشان، درجہ سوم، سیکشن بی، سید عابد حسین سینئر سیکنڈری اسکول
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

ننھے فنکار

دانیہ کیمیس ڈاکٹر محسن امین، الحمود انٹرنیشنل اسکول، اکولہ، مہاراشٹر

ادیبہ فاطمہ، درجہ اوّل، GTPS، G-79، شاہین باغ، نئی دہلی - 25

عائشہ درجہ، دوم، الہدیٰ ماڈل اسکول، لکھنؤ، یوپی

زرّین فاطمہ شیخ تسلیم، جماعت: پنجم (الف)، ملت ہائی اسکول، مہرون، جلگاؤں

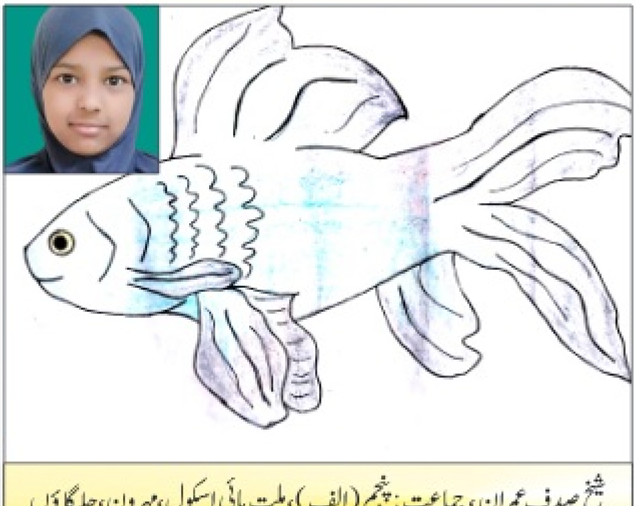

شیخ صدف عمران، جماعت: پنجم (الف)، ملت ہائی اسکول، مہرون، جلگاؤں

آرتی کماری، پلس 2، پروجیکٹ، گرلس ہائی اسکول، کورتھو، دربھنگہ، بہار

ام حبیبہ بنت خورشید، درجہ ہفتم، وشال مہاراشٹر ایجوکیشن سوسائٹی اردو پرائمری اسکول، پونے، مہاراشٹر

شافیہ شیخ اسلم پٹوے، درجہ یازدہم
ملت جونیئر کالج، مہرون، جلگاؤں، مہاراشٹر

اقرا کوثر محمد ناظر، درجہ ہشتم A، بابا صاحب دھابیکر ودھیالیہ
بارسی ٹاکلی، ضلع اکولہ، مہاراشٹر

محمد بلال عارف کمال، درجہ سوم، امری کلاں، کلید علوم، یوپی

حریم، درجہ سوم، رابعہ گرلز پبلک اسکول، اولڈ دہلی

نشاط آفریں افتخار احمد، حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

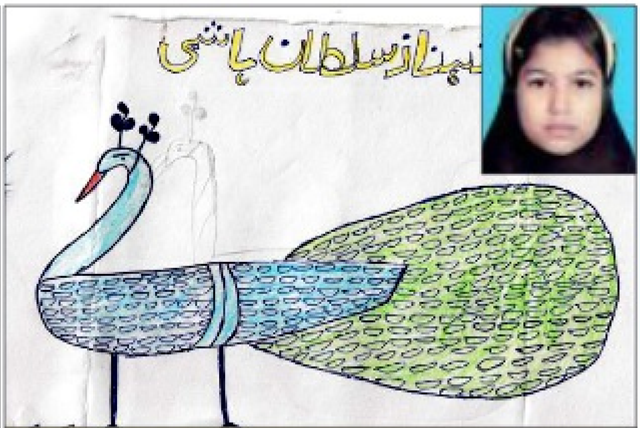

شہناز سلطان ہاشمی، درجہ چہارم، بھیونڈی نظام پور شہر میونسپل کارپوریشن اسکول نمبر 6، مہاراشٹر

محمد معاویہ، درجہ ہفتم، ایم ایس کریٹیو اسکول، اولڈ دہلی

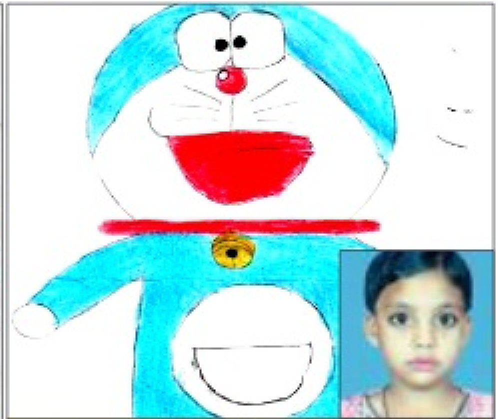

آشنا بانو انیس خان
درجہ چہارم، بھیونڈی نظام پور شہر میونسپل کارپوریشن اسکول نمبر 6، مہاراشٹر

تبسم محمد فرید انصاری، درجہ چہارم، بھیونڈی نظام پور شہر میونسپل کارپوریشن اسکول نمبر 6، مہاراشٹر

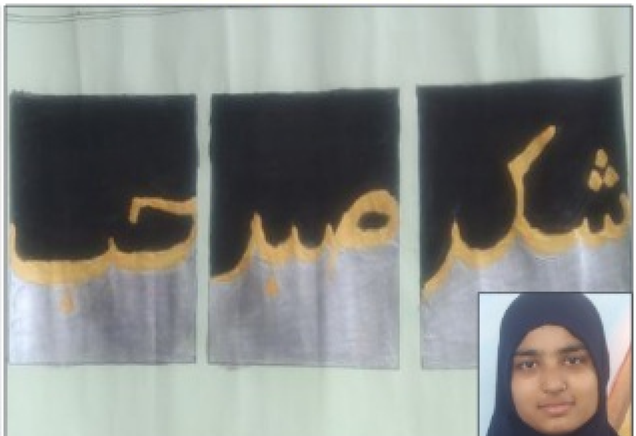

مسکان بی شبیر شاہ، درجہ یازدہم، گورنمنٹ اردو گرلس ہائیر سیکنڈری اسکول، حریر پورہ، برہانپور، ایم پی

کلثوم بانو اعجاز احمد، درجہ چہارم
بھیونڈی نظام پور شہر میونسپل کارپوریشن اسکول نمبر 6، مہاراشٹر

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, जुलाई 2024, वर्ष 12, अंक 07
BACHON KI DUNIYA Monthly, JULY 2024 Vol. 12, Issue: 07
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2022-24
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/06/2024
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

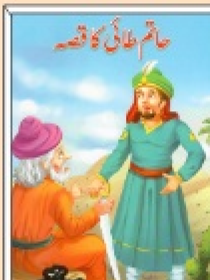

صفحات: 86، قیمت: 30 روپے

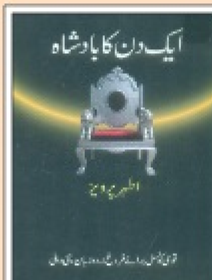

صفحات: 43، قیمت: 15 روپے

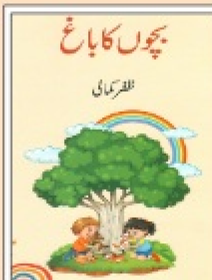

صفحات: 56، قیمت: 30 روپے

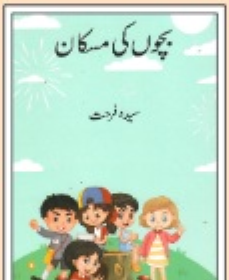

صفحات: 64، قیمت: 35 روپے

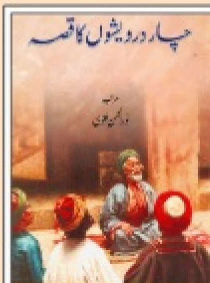

صفحات: 70، قیمت: 30 روپے

صفحات: 32، قیمت: 35 روپے

صفحات: 108، قیمت: 95 روپے

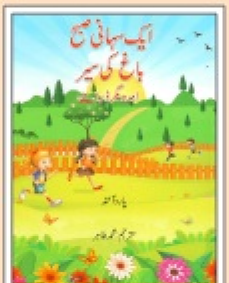

صفحات: 100، قیمت: 35 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:
شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Md Shams Equbal, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6